ڈاکٹر سردار احمد خاں :

# میر سوز کا کلام : تجزیاتی مطالعہ

بارہویں صدی ہجری میں دہلی کے فارسی گو شعراء نے اردو شاعری کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف توجہ کی اور اردو غزل کو فارسی غزل کے انداز پر رواج دیا ۔ ویسے یہ کام کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ شاہ گلشن نے ولی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ مضامین جو فارسی زبان میں موجود ہیں اگر اردو میں منتقل کر دیے جائیں تو کون محاسبہ کرے گا یہی وجہ ہے کہ اردو غزل معنوی اور صوری لحاظ سے ان خصوصیات کی حامل رہی جو فارسی غزل کی تھیں۔ دہلی میں ابتدائی دور کی اردو شاعری کا جن اصحاب نے ایک خاص اسلوب مقرر کیا ان میں شاہ مبارک آبرو ، یکرنگ ، ناجی ، انجام ، آرزو اور حضرت مظہر جان جاناں سر فہرست ہیں ۔ اس زمانے میں اردو غزل نے ترقی کی جانب قدم بڑھایا ۔ ان بزرگوں کے دامن فیض میں پلے ہوئے نوجوان شعراء نے روایت کی پوری پابندی کے ساتھ اردو شاعری کو پروان چڑھایا ۔ اس دور میں اردو غزل نئے رنگ اور ڈھنگ کے ساتھ منظر عام پر آئی ۔

میر سوز ، سودا ، درد اور میر اردو غزل کے رنگ محل کے چار ستون ہیں ان چاروں شاعروں کا اپنا الگ رنگ ہے اور ان کے مقلدین کا ایک طویل سلسلہ ہے ۔ سودا اپنے زور بیان شکوہ الفاظ اور سنگلاخ زمینوں کو نباہنے میں منفرد ہیں ۔ میر درد صوفیانہ شاعری کے بانی اور گلزار تصوف کے باغبان میر تقی میر داخلی کیفیات کے مصور ہیں اور میر سوز زبان کی سادگی اور مافی الضمیر کو سیدھے سادھے انداز میں بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان کے زمانے میں اردو شاعری کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ گھر گھر شعر و سخن کی محفلیں برپا ہونے لگیں ۔

میر سوز کا عہد اردو غزل کا سنہری دور ہے اردو غزل اسی دور میں بنی ، سنوری اور نکھار کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ۔ اردو کو جتنے عظیم المرتبت شاعر اس دور میں بہ یک وقت ملے وہ کسی اور دور میں نصیب نہیں ہوئے ۔ اس دور کا ہر شاعر صرف استاد وقت ہی نہیں بلکہ اس کی ذات بجائے خود ایک دبستان تھی ۔ ان اساتذہ نے غزل کا مزاج ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں نئے نئے تجربے کیے اور فکر و فہم کے نئے نئے پھول کھلائے۔ ان اساتذہ کے تلامذہ نے اس روش کو مضبوطی سے اختیار کیا ، اور اسلوب و آہنگ کے خاص معیار قائم کیے اور اس میں

ایسی پختگی پیدا ہوئی کہ کسی فنی شہ پارے کو دیکھ کر ہی اس کے خالق کو پہچان لینا کچھ زیادہ دشوار نہ رہا ۔ تاہم اتنا ضرور تھا کہ طرز ادا، افکار و خیالات اور علامتوں میں مماثلت و مشابہت کے باعث یکسانیت سی محسوس ہوتی تھی ۔ یہ یکسانیت اکتاہٹ پیدا کر دیتی اور مضامین میں تنوع کی کمی کا احساس ہوتا۔ ہر شاعر ایک ہی مقام پر کھڑا نظر آتا ہے ۔ محدود فکر مضامین کی تکرار اور خیالات کا تصادم بسا اوقات ذہنی کسل مندی کا سبب بن جاتا ۔ غزل گو شعراء کے ہاں یہ عام بات تھی ۔ اساتذہ نے جو اسلوب مقرر کر دیا تھا اس کی پیروی لازمی تھی اس سے سرمو انحراف مذہب شاعری میں کفر کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ادبی ماحول میں میر سوز پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی طرز الگ نکالی اور ایک نئے انداز کو پیش کیا ۔

۱۔ انفرادیت :

میر سوز کا لب و لہجہ دوسرے شاعروں سے مختلف ہے ان کے مضامین میں بھی جدت و ندرت ہے ۔ میر تقی میر (۹۳) کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ میر سوز " طرز علیحدہ رکھتے ہیں اسی قسم کی رائے کا اظہار دوسرے نقادانِ فن نے بھی کیا ہے قدرت اللہ شوق (۹۴) " موجد طرز علیحدہ " ۔ میر حسن (۹۵) "ان کی طرز ان کی اپنی ملک ہے۔ مصحفی (۹۶) "اپنی طرز کا استاد۔" گارسیں دتاسی (۹۷) "وہ ایک نئے مدرسہ شعر کے سربراہ سمجھے جاتے ہیں"۔ " قاسم " (۹۸) ریختہ گوئی میں طرز خاص رکھتے ہیں۔ بستلا میرٹھی (۹۹) "انھوں نے جو طرز اختیار کیا وہ آج تک کسی کو میسر نہیں ہوا"۔ یکتا (۱۰۰) " ان کی طرز تمام شعراء سے جدا ہے"۔ کریم الدین (۱۰۱) " ریختہ گوئی پر یہ طرز خاص کے کاربند تھا"۔ نصر اللہ خان خویشگی (۱۰۲) " سارا عالم ان کو استاد مانتا ہے " ۔ سعادت خان ناصر (۱۰۳) " طرز کا اپنی استاد " کہتے ہیں ۔ اگرچہ یہ تمام آراء مختصر ہیں لیکن سوز کے فن کا پوری طرح احاطہ کرتی ہیں ۔ سرسری جائزہ لینے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی شاعری میں کچھ ایسے عناصر ضرور ہیں جن کے باعث ان کا طرز سخن دیگر شعراء سے علیحدہ ہے ۔ سوز کی یہ انفرادیت کسی ایک خوبی کی بناء پر نہیں بلکہ ان کا کلام ظاہری اور معنوی لحاظ سے مختلف وجوہ کے باعث منفرد کہا جاسکتا ہے ذیل میں ہم تفصیل سے ان کا مطالعہ کریں گے ۔

۲۔ تصوف :

گردیزی (۱۰۴) میر سوز کے کلام کو " پسندیدہ اور سنجیدہ " قرار دیتے ہیں ۔ اس ضمن میں ہم میر سوز کے دور کے سیاسی ، مذہبی ، سماجی اور ادبی حالات کا جائزہ پیش کرچکے ہیں ان

حالات کے پس منظر میں ان کے کلام کا مطالعہ کرنا بھی مفید ثابت ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ میر سوز نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ایسا ماحول تھا جس میں دین و دنیا سے بیک وقت لذت اندوز ہونے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ سوز جس بزم سخن کے رکن تھے اس کی زیب و زینت تصوف کے دم سے قائم تھی۔ تصوف کی یہ کارفرمائی کوئی صدی دو صدی سے نہ تھی بلکہ یہ تو صدیوں سے ایک تحریک کی صورت میں اسلامی معاشرہ میں جڑیں پکڑ چکی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے ادبیات و فنون لطیفہ کی جو عمارت تعمیر کی اس کی اساس اسلام کے بنیادی عقاید پر رکھی۔ قرآن پاک اگر ایک طرف مکمل ضابطہ حیات ہونے کے اعتبار سے تمام الہامی صحیفوں میں سب سے افضل و برتر ہے۔ تو دوسری طرف ادبی لحاظ سے اس کا مرتبہ بے انتہا اہم ہے۔ مسلمانوں نے جس زبان میں بھی علمی و ادبی کاوشیں کیں انھوں نے قرآنی ادب کا سہارا لیا۔ اردو ادب کی خوش قسمتی ہے کہ صدیوں پرانی اسلامی اقدار جو عربی اور فارسی ادب میں موجود تھیں اس کی پشت پناہ ثابت ہوئیں۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے عقاید کی تصدیق اگرچہ دل کرتا ہے لیکن ان کی تشریح احاطہء تحریر و تقریر میں لانا مشکل ہے۔ لیکن ان عقاید اور اصولوں کا عملی مظاہرہ ان کی شرح بھی کر دیتا ہے اور دلوں پر لافانی نقش بھی چھوڑ جاتا ہے۔ صوفیائے کرام کے اسی مسلک کو ہم تصوف کے نام سے پکارتے ہیں۔ دہلی جو بائیس خواجہ کی چوکھٹ تھی اس کے باشندے تصوف کے رنگ میں سرتاپا رنگے ہوئے تھے۔ خود سوز کے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خانوادہ، حضرت مظہر جان جانان اور ان کا پورا دبستان، حضرت شاہ فخرالدین اور ان کا سارا حلقہ ارشاد بلا تخصیص مذہب و ملت انسان دوستی اور مذہب پرستی کی تعلیم دے رہے تھے۔ اس وقت کے تمام دانشور طبقے ان بزرگوں سے کسب فیض کرتے تھے علی الخصوص شعراء کا ان سے خاص تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اپنی تمام باریکیوں، ساری رعنائیوں اور دلاویزیوں کے ساتھ اردو شاعری میں رچا بسا ہوا ہے۔ جس شاعر کے کلام کو دیکھئے وہاں تصوف کی چھاپ لگی ہوئی ملے گی۔ اس انداز فکر نے غور و تدبر کی عادت کو تقویت دی۔ ذات اور صفات کے ادراک اور شعور نے من کی دنیا کو آباد کیا چوں کہ تصوف اور اس کے موضوعات ماورائی ہیں۔ اور فہم و ادراک کی سرحد سے پرے ہیں تاہم غور و فکر تفحص و تعمق کے باعث طبیعت حساس ہوجاتی ہے۔ زود حسی جب بیرونی اثرات قبول کرتی ہے تو ساز دل کے تار جھنجھنا اٹھتے ہیں روح کی پکار الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے۔ صداقت و خلوص کی آمیزش کے

ساتھ حرف زیر لب بھی بڑا پر تاثیر ہے ۔ ان ملکوتی اور لاہوتی مسائل میں جو تصوف کا موضوع خاص نہیں نور ہے اور روشنی ہے۔ اس روشنی کی حرارت سے دل میں گرمی سوز اور تپش پیدا ہوتی ہے۔ ایک ذات بزرگ و برتر کا تصور ابھرتا ہے ، توحید تخلیق ، عرفان ذات ، عدم و وجود اور فنا کے پیچیدہ مسائل خود بخود حل ہونے لگتے ہیں لیکن ان افکار و خیالات کو دوسروں تک کیسے پہنچایا جائے ، وہ حرارت جو اپنے دل کو گداز کر رہی ہے دوسروں تک کیوں کر منتقل ہو اور وہ مسائل جن کی ادائیگی اور تشریح کی طاقت زبان نہیں رکھتی ان کو کس طرح بیان کیا جائے۔ اس وجدانی کیفیت کے اظہار کے لیے جب روح پر احساسات کا شدید دباؤ پڑتا ہے تو دل کی بات زبان پر آجاتی ہے اور لفظوں کا جامہ پہن کر شعر کے قالب میں ڈھلتی ہے اور اس غیر مرئی حقیقت کو پوری توانائی و صحبت کے ساتھ ذہن نشین کرا دیتی ہے ۔ شاعری میں اسی کو داخلیت کے نام سے پکارتے ہیں ۔

میر سوز ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے صدیوں علم و عرفان کی شمع کو روشن رکھا۔ ان کو مذہب دوستی ، فقیری و درویشی میراث میں ملی تھی یہ صوفیانہ درد مندی ، دنیاوی حوادث کے باعث اور نتھر کر سوز کے کلام میں جلوہ گر ہے ۔ ان کے کلام میں جو داخلی کیفیات ملتی ہیں وہ عرفانی اور وجدانی ہیں ۔ اور سوز ایک خاص لے اور آہنگ کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرتے نظر آتے ہیں ۔ یہ مسائل پسندیدہ بھی ہیں اور سنجیدہ بھی اور اسی وجہ سے بقول گردیزی سوز کا کلام پسندیدہ بھی ہے اور سنجیدہ بھی ۔ سوز کا صوفیانہ کلام اپنے موضوعات کے اعتبار سے قرآنی آیات کے ساتھ عین مطابقت رکھتا ہے ۔ ذیل میں ہم مختصر طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں ۔

توحید :

" اللّٰہ لا الہ الا ھوا لحی القیوم "

( اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں
وہ زندہ ہے اور تمام عالم کا سنبھالنے والا ہے )

( القرآن ، سورۂ بقرہ : ۲۵۵ )

توحید ایک ایسا بنیادی اور اساسی عقیدہ ہے جس پر ساری کائنات گردش کر رہی ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ازل سے ابد تک کیا جاتا رہے گا ۔ گمراہی ، جہالت اور توہمات میں مبتلا قوموں میں بھی کہیں نہ کہیں ایک ذات بزرگ و برتر کا تصوّر موجود ہے ۔

ازل کے دن جو سبق بنی نوع انسان کو پڑھایا گیا تھا وہ اگرچہ فراموش تو ہوا لیکن قلوب سے یکسر محو نہیں ہوا اس عہد کی تجدید کے لیے انبیائے کرام تشریف لاتے رہے لیکن اسلام نے مسئلہ توحید پوری شرح و بست کے ساتھ بھی بنی نوع انسان پر واضح کر دیا ۔ ایک خدا کا عقیدہ ، اس کی حاکمیت ، قبضہ و اختیار کو تسلیم کرلینے کے بعد خود انسان کو بلند ترین مقام حاصل ہوگیا۔ اور وہ مقصد حیات اور تخلیق کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہوگیا ۔ ہمارے صوفیائے کرام نے اسی مسئلے کو بہت جذب و کیف اور ذوق شوق سے اٹھایا اور دلوں میں راسخ کر دینے کی پوری سعی فرمائی ۔ لہذا ہماری اردو غزل میں جب اس مسئلے کو پیش کیا جاتا ہے تو ہمارا شاعر اسی رمز و کنایہ سے کام لیتا ہے جو صوفیہ کرام کی خاص ایجاد اور اختراع ہے اس مرحلے پر ہمارا غزل گو شاعر خواہ وہ کیسا ہی ہو ایک پکا صوفی نظر آتا ہے یہ اور واقعہ ہے کہ شعر کی تاثیر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب شاعر خود اس درد کی کسک سینے میں محسوس کرتا ہو ۔ ہمارے تمام شاعروں نے تصوف کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔ کچھ نے محض رسمی اور رواجی طور پر اور کچھ نے اپنی قدیمی کیفیات سے مغلوب ہو کر ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس رنگ کو نبھانا آسان کام نہیں ۔ علی الخصوص مسئلہ توحید کو صوفیانہ انداز میں رقم کرنا بڑی صلاحیت ، مہارت اور اہمیت کا کام ہے ۔ ذاتِ الٰہی کا تصور نا ممکن ، اس کی تشریح اور وضاحت حد امکان سے باہر ہے ۔ اس حقیقت مستور کو وہی پاسکتا ہے جس کے دل میں آنکھیں روشن ہوں ۔

سوز خیر شاعر تو تھے ہی لیکن ان کے معاصرین نے ان کی شاعرانہ صفات سے زیادہ ان کی اعلیٰ سیرت کی توصیف کی ہے ۔ میر حسن (۱۰۵) ان کو " فقیہ بے مثال اور درویش باکمال " کہتے ہیں شورش (۱۰۶) " درویش انسان " کے نام سے پکارتے ہیں ۔ مصحفی (۱۰۷) "شاعری اور درویشی " کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں"۔ قاسم (۱۰۸) " مردے عالی طبیعت درویش نہاد نیک طبیعت والا نژاد " کے معزز الفاظ سے یاد کرتے ہیں ۔ شاہ کمال (۱۰۹) " بزرگی و درویشی میں بزرگوں سے ستار " قرار دیتے ہیں ۔ اس اعتبار سے سوز پہلے صوفی اور پھر شاعر تھے ۔ چناں چہ ان کے اشعار میں جو تاثیر ہے وہ دوسرے شعراء کے ہاں موجود نہیں ۔ ان کے کلام میں تصوف کے مسائل بہت سلیقے سے بیان کیے گئے ہیں مسئلہ توحید پر قرآن پاک کی روشنی میں سوز کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

تیرے سوا کون اب ہے جہاں میں　　الحکم للہ و الملک للہ

خدا دیتا اگر مجھ کو زبان توحید کہنے کی　　تو لا کہہ کر الوہیت کو الا اللہ میں کہتا

دل ایک اس میں غیر کا کیا دخل میر سوز | مشرک ہو یاد رکھے جو کوئی سوائے دوست
یک ہستی موہوم ہے کل صورت اشیاء | ہے دیدۂ تحقیق میں جز نام خدا ہیچ
جب ہیچ ہی ہم بوجھ چکے سارے جہاں کو | غم ہیچ ستم ہیچ طرب ہیچ عطا ہیچ
روز ازل سے سوز تمھارا غلام ہے | مشرب میں اس کے غیر کا ملنا حرام ہے

رسالت:

**" انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللّٰه باذنه و سراجا منیرا ۔"**

( بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ
گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں
اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس
کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں )
( القرآن، سورۂ احزاب : ۴۵، ۴۶ )

**" هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره، علی الدین کله ۔ وکفی باللّٰه شهیدا ۔ محمد رسول اللّٰه ۔ "**

( وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا
دین ( یعنی اسلام ) دے کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام
دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے محمد اللہ کے رسول
ہیں ) (القرآن، سورۃ الفتح : ۲۸ )

یہ تمام عالم جو حد شمار سے باہر ہیں اور جن کی حقیقت کو سمجھنا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں ۔ یہ عجائبات عالم جو انسان کو مبہوت و مسحور کر دیتے ہیں ان کو تخلیق کرنے میں خدا کو کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آئی اس نے صرف کن کہا اور تمام بن کر تیار ہوگئے ۔ تخلیق کائنات قدرت الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور اس کی عظمت و شان کا عظیم الشان نشان ہے ۔ دنیا کی تخلیق پر سوز کا ایک شعر دیکھیے ۔

خلقت تمام گردش افلاک سے بنی | ماٹی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

مگر یہ کائنات یوں ہی نہیں بنائی گئی ہے اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے اور وہ

مقصد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائیں اور منصب رسالت پر فائز ہوں ۔ حدیث قدسی ہے " **لولاک لما خلقت الارض والسماء** " (اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتے) اس طرح راز تخلیق کائنات کی پردہ کشائی منصب رسالت ہی سے ہوتی ہے ۔ اس منصب کے سامنے فرشتے سرنگوں اور حور و غلمان جبہہ سائی کرتے ہیں ۔ اب سوز کا ہدیہء عقیدت ملاحظہ ہو

قد رعنا جو اپنا خم کیا ہر نماز اس نے ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمد کا
زمین و آسماں ہوں کیوں نہ روشن نور سے اس کے کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمد کا
کہا پیر خرد نے موجب خم پشت گردوں کا کہ مجھ کو یاد کس رہنا ہے اسباب محمد کا
ادا کس کی زباں سے ہوسکے شکر اس کی نعمت کا دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمد کا

اہل بیت :

" **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** "

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے (اے نبی) کہ گھر والوں سے اور تم سے
آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح پاک و صاف رکھے "
(القرآن ، سورۂ احزاب : ۳۳ )

حدیث شریف ہے :

" **انا مدینۃ العلم و علی بابھا** "
" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ "

سوز اس طرح کہتے ہیں :

" محمد علم کا گھر ہے علی ہے اس کا دروازہ غلام اس کا ہے جو وہ کلب ہے باب محمدؐ کا

صحابۂ کرام

" **والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ** " ۔

" جو مہاجر اور انصار ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم ہیں
اور وہ جو اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کریں اللہ ان سب سے

راضی ہوا وہ سب اللہ سے راضی ہوئے "

( القرآن ، سورۂ توبہ : ۱۰۰ )

رسول پاک نے ان کی توقیر میں مزید اضافہ فرمایا :

" اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم "

" میرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت حاصل کرلو گے "

اس بارے میں سوز کی منقبت ملاحظہ ہو :

دلا دریاے رحمت قطرہ ہے آب محمد کا جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحاب محمد کا

## عظمت آدم :

" و اذ قال ربک للملئکتہ انی جاعل فی الارض خلیفہ " ۔

" اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک (نائب انسان حیوان ناطق ہے لیکن مقام اس کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اطاعت شعار بندہ بن جائے ۔ مکمل انسان مسلمان ہی ہے اور وہی خلیفتہ اللہ فی الارض بھی ہے نیابت الٰہی کا کام آسان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نائب کی تعلیم خود فرمائی ہے ) "

(القرآن ، سورۃ البقرہ : ۳۰ )

" وعلم آدم الاسماء کلھا "

" اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سب چیزوں کے ناموں کا "

(القرآن ، سورۃ البقرہ : ۳۱ )

سوز اسی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہوئی ہے خاک سے خلقت تری اے مہروش جب سے
زمین کے روز و شب تب سے تصدق آسماں کے ہیں

اور پھر اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی کو جو فخر نسل نبی آدم میں آسمانوں کی سیر کرائی۔

## معراج :

" سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا "

" وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی "

( القرآن ، سورۂ بنی اسرائیل : ۱ )

سوز کتنے فخر و ناز سے کہتے ہیں :

طور پر جاکے تجلّی ہی کو دیکھا موسیٰ میرے صاحب سے مگر طالع بیدار کہاں

## مرشد :

" یا ایھا الذین امنوا اتقواللّٰہ و کونوا مع الصدقین "

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمل میں سچوں کے ساتھ رہو

(القرآن ، سورۂ توبہ : ۱۱۹ )

اللہ تعالیٰ کی غلامی کا جوا اپنی گردنوں میں ڈال کر اس کے رسول برحق کی کفش برداری کرنے کا یہ صدقہ ہے کہ آپ کی امت کے اہل اللہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسا ہے ۔ حدیث مبارکہ ہے :

" العلماء کانبیاء بنی اسرائیل "

یہ علما صلحا اور فقرا اتباع نبوی کر کے اس مرتبہ پر جا پہنچے کہ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر کائنات گردش کرتی ہے ۔ شریعت محمدی کے وہ وارث اور امت محمدی کے نگہبان ہیں وہ ایک نگاہ غلط انداز سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں ۔ وسیلۂ مرشد قطع منازل کے لیے توسنِ صبا رفتار ہے

ہے معتبر انھوں کی جہاں میں مہوسی جو خاک کو نگاہ سے اپنی طلا کریں

اگر کچھ سوز نے پایا تو مے خانے کے سجدے سے حرم کے در پہ ورنہ بار ہا سر مار مار آیا

## محبّت الٰہی :

" والذین امنوا اشد حباً للّٰہ "

اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبّت ہے۔ (القرآن ، سورۃ البقرہ: ۱۶۵ )

مومن کا مقصد توحید اللہ کی محبت ہے ایسی محبت جو مرمٹنے اور نثار ہو جانے کا تقاضہ کرے ۔

کوچۂ عشق میں جو اہل نظر جاتے ہیں — کاٹ کے سر کو کف دست پہ دھر جاتے ہیں

نہیں وہ سوز جو مرنے کے بعد از بھی تجھے بھولے — بڑا تڑپے گا تیری یاد میں اس کا کفن میں دل

## تعلق مع اللہ :

"الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب "

" مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے
ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے ۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر
سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے "

(القرآن سورۂ رعد : ۲۸ )

خدا کی محبت دل میں جتنی زیادہ ہوگی بندے کا تعلق اللہ سے اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ یہ تعلق اگر حاصل ہے تو پھر کسی دوسری چیز کی طلب باقی نہیں رہتی :

خاک سے جس نے بنایا حضرت انسان سا — فیض اگر چاہے تو کر اس باغباں کا اختلاط

سوز فردوس کا ہووے نہ طلب گار وہاں — تیرے گھر کا سا اسے سایۂ دیوار کہاں

دوزخ کا خوف اس کو نہ جنت کی آرزو — جو کوئی جان و دل سے ہوا مبتلائے دوست

## تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب :

" قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا "

" یقیناً کام یاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد
ہوا وہ جس نے اس کو فجور میں دبا دیا "

(القرآن ، سورۃ الشمس : ۹ ، ۱۰ )

خدا کی محبت اطاعت پر آمادہ کرتی ہے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تزکیہ نفس اور صفائی قلب لازمی ہے ۔ عشق کی آگ میں جتنا تپے گا اتنا ہی کندن ہوگا ۔ دل کا آئینہ جتنا صاف ہوگا اتنا ہی عکس رخ محبوب واضح ہوگا :

نہ پاویں جب تلک لاکھوں گدازیں آتش غم میں — مس دل عاشقوں کا تو زر کامل نہیں ہوتا

آئینہ سا بنے تب اس میں جھانکے روئے یار — سوز منزل دور ہے آگے ہی سے حیراں نہ ہو

## تسلیم و رضا:

" صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العلمین "۔

" میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی
کے لیے ہے جو مالک ہے سارے جہاں کا "

(القرآن سورۃ الانعام : ۱۶۳)

دنیاوی حرص و ہوا سے دور رہ کر بقاء اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنانا ہے وہ محبوب کی خوشنودی اور عطائے یار کا طالب ہونا ہے

ہم کو نہ کچھ مال نہ زر چاہیے — لطف کی اک تیری نظر چاہیے
یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے — اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہیے
جو غم دل میں لبے آ کر اسے اب دور کیا کیجے — عطائے یار ہو اس چیز کا مذکور کیا کیجے

## وحدت الوجود:

" ھوالاول والاخر والظاھر والباطن "

" وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے "

( القرآن ، سورۂ حدید : ۳ )

اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کا تابع کر کے بندہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اب خدا کی مرضی ہی اس کی اپنی مرضی ہوتی ہے ۔ تسلیم و رضا کا یہی منطقی استدلال ہے جب ذات باری ہی وجود برحق ہے تو دوسرے تمام وجود بے معنی ہیں ۔ اللہ ہی کی تسبیح و تحلیل حمد اور ثنا تمام عالم کرتے ہیں ۔ یہ موجودات محض اس کے نور کا پرتو ہیں ۔ خدا اگر آفتاب عالم تاب ہے تو موجودات اس کی شعاعیں ، خدا اگر سمندر ہے تو اشیائے کائنات حباب ۔ شعاعیں سمٹیں گی تو آفتاب میں مرکوز ہوں گی حباب پھوٹیں گے تو سمندر میں مدغم ہوجائیں گے منتشر ذرّے پھر صحرا میں سما جائیں گے

سر خوشِ جوشِ بہارِ نرگسِ مستانہ ہوں — آپ ہی مینا بھی ہوں اور آپ ہی مے خانہ ہوں
جو کیفیت ہے نرگس کی چمن میں — وہ چشمِ ساقیِ گل فام میں دیکھ
فنا کر آپ کو تو جزو سے اے دل توکل ہووے — گنوائے جب حیات اپنے تئیں تب عین دریا ہو
نام و نشاں نے مجھ کو رسوا کیا الٰہی — اب چاہتا ہوں حق سے بے نام و بے نشاں ہوں

فنا فی الذات کی خواہش سوز کے ہاں ایک حسین و جمیل تصور بن جاتی ہے :

خاک ہونا ہو تو خاک کوچہ دلدار ہو ہو فنا پیش از فنا لیکن فنائے یار ہو

غبار جسم سے ہے اس طرف محبوب کا ڈیرا اڑا دے آہ سے اس کو کہ یہ پتلا ہی حائل ہے

صنم کا دید چاہے تو فنا ہو عاشق صادق غبار جسم اڑ جاوے تو کچھ حائل نہیں رہتا

مدام ہے دل کی آرزو یہ کہ تجھ گلی میں نثار ہو جی
کروڑوں ذرہ کے ذرہ ہو کر قدم پہ تیرے نثار ہو جی

جبر:

" وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین "

" اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے "

(القرآن سورۃ التکویر : ۲۹ )

بندہ اس کائنات کا ایک جزو ہے وہ قبضہ و اختیار سے محروم ہے ۔ نہ جینا بس میں ہے اور نہ مرنا اپنے ہاتھ میں ہے :

خوشی سے نہ جینا ملے ہے نہ موت الٰہی ہمیں کچھ بھی مقدور ہے

سوز کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بندہ تن کے قفس میں اسیر ہے ۔ یہ قید نوشتہ تقدیر ہے لہذا جو پہلے ہی مقید ہو اس کو دنیاوی علائق کا پابند ہونا چاہیے :

ہے گرفتاری تن گرچہ بہ حکم تقدیر اے گرفتار بلا اور گرفتار نہ ہو

استغنا:

" وما الحیوۃ الدنیا الا لعب و لھو وللدار الا خرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون "

" اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے اور پچھلا گھر
متقیوں کے لیے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو "

(القرآن ، سورۃ الانعام آیت : )

انسان کارخانہ قدرت کا ایک ادنی بندہ ہے کچھ فرائض اس کو تفویض کیے گئے ہیں اس کی تخلیق کا صرف یہی مقصد ہے کہ وہ ان فرائض کو پورا کرتا رہے ۔ ورنہ اس مہمان سرائے میں وہ خالی ہاتھ آتا ہے اور عمر چند روزہ بسر کر کے خالی ہاتھ واپس چلا جاتا ہے ۔ خوش

نصیب ہیں وہ لوگ جن کا دامن یہاں کے خار زاروں سے نہیں الجھتا۔ بقول سوز :

کیا لے لیا تھا ہم نے الجھتا جو کوئی خار
جون گل ہم اس کے باغ میں دامن فشاں رہے

سوز زندگی کو قربانی قرار دیتے ہیں اور جس کے پاس لباس ہی نہ ہو وہ دامن کیسے پھیلا سکتا ہے ۔ لذات دنیاوی سے جتنی علیحدگی میسر ہوگی انسان اتنا ہی مطمئن ہوگا۔

ہم تو مستغنی الاحوال ہیں عریانی سے — جامہ رکھتا ہو جو کوئی تو پسارے دامن

تارک الدنیا ہو گر چاہے کہ خوش گذرے تری — جب پڑا دھندے میں اس کی شادمانی پھر کہاں

شکر ہے اس کا زبان کی ہم نے لذت چھوڑ دی — جو ملا سو کھا لیا ، تھا خواہ شیریں خواہ تلخ

اس مقام پر پہنچ کر انسان اپنے دل کا بادشاہ ہوتا ہے ۔ سود و زیاں کا احساس فنا ہو جاتا ہے ترک تمنا کے باعث فقر و فنا کا وہ اعلیٰ منصب ملتا ہے جہاں قلندری بھی ہے اور سکندری بھی ۔

دنیا کو کیا ترک ہوے باد شہِ وقت — کس کو ہے غرض جو کہے نواب سلامت

اسی راہ پر دو گام اور بڑھے تو فنا کی منزل آجاتی ہے :

صد شکر کہ مرنے کا خلش اٹھ گیا دل سے — جب سے ہوے پیدا ہیں اسی دن سے مرے ہیں

## بے ثباتی :

**"کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام"**

" جتنے روے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہوجاویں گے اور آپ
کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ
جائے گی " (القرآن ۔ سورۂ رحمن : ۲۶ ، ۲۷ )

یہ ہر دم منقلب زمانہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ دنیا ایک سراب ہے ۔ یہاں لوگ قافلہ در قافلہ چلے جا رہے ہیں :

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی آنکھوں سے یہ روز — یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں

تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یاں — سوجھتا اتنا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں

جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دکھ پہ دکھ دیکھے گا یار — مند گئیں جب انکھڑیاں تب سوز سب آنند ہیں

جاتے ہیں لوگ قافلے کے پیش و پس چلے　　دنیا عجب سراہے جہاں آئے بس چلے
اے غنچہ آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ　　جمعیت دلی پہ تری پھول ہنس رہے
بغیر از مرنے جینے کچھ نہ دیکھا بزم دنیا میں　　کئی اپنی تو مثل شمع صبح و شام دنیا میں
کدھر جاتے رہے یہ یار یارب　　کوئی بیٹھا نہیں اب انجمن میں

## وسواس شیطانی:

" قل اعوذ برب الناس ملک الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس "

" انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہر وقت اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ۔ جو ظاہر میں دوست نظر آتا ہے لیکن باطن میں دشمن ہے لیکن اہل نظر اس کو فوراً پہچان لیتے ہیں " (مفہوم)

(القرآن ، سورۃ الناس : ۱ تا ۶ )

لباس دوستی میں پھر تو آیا ہے ستانے کو　　ارے چل بھاگ سمجھا ہوں تری باتیں بنانے کو

## توبہ:

" ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین "

" اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوجائے گا " (القرآن ، الاعراف : ۲۳ )

اللہ کے نیک بندے ہر وقت توبہ اور استغفار میں مصروف رہتے ہیں اور گناہوں کی گرد کو اپنے آنسوؤں کے پانی سے دھوتے ہیں :۔

میں تو غبار دل کا یک بار دھو کے آیا　　کوچے میں خوب رو کے کل خوب رو کے آیا

## اعمال حسنہ:

" فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا "

" جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے پس چاہیے کہ عمل صالح کرے" ( القرآن ، سورۂ کہف : ۱۱۰ )

آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے بندہ اعمال حسنہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیوں کہ اچھے کام ہی دوسری دنیا کے سفر کا زاد راہ ہیں اس مختصر زندگی میں جتنے بہتر کام ہوسکیں کرلینا چاہیے کون جانے پھر مہلت ملے یا نہ ملے۔

کار نیک اے یار توشہ ہے فراہم کر اسے　　صحبت ان کی ایک دن اے یار مشکل ہوئے گی

ہے تنگ زمانے میں بہت عمر کا عرصہ　　اس میں عمل نیک کیا چاہے تو کرلے

## امید بخشش:

" لا تقنطو من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا "

" اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیں گے "۔　　(القرآن، سورۃ الزمر: ۵۳)

اپنی بد اعمالی کے باوجود انسان رب کریم سے یہی امید کرتا ہے کہ اس کی رحمت لغزشوں کو معاف کر دے گی اور اس کے کرم کا سایہ گناہ گاروں کے سروں پر ہوگا۔

شرائط اپنے میں اسلام کی ہرگز نہیں پاتا　　جو اس پر بھی گنہ بخشے تو اس کا نام ہے دانا

واشد ہے جیسی غنچہ دل گیر میں چھپی　　ہے مغفرت ہماری بھی تقصیر میں چھپی

بلا تردد　بلا تعمل　بلا تصنع　بلا تعلی

امید بخشش ہے جب سے ہم کو کیے ہیں ہم نے گناہ لاکھوں

جرم کو عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے　　بے گنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے

تصوف کی یہ ہمہ گیری اور ہمہ رنگی سوز کے کلام کو پاکیزہ بناتی ہے۔ اس میں ملکوتی تقدس پیدا ہوجاتا ہے، وہ شاعری اصلاح اور تہذیب کی شاعری بن جاتی ہے۔ انسان میں اس کے مطالعے سے عرفانی اور وجدانی شعور پیدا ہوتا ہے ان کے کلام کو پڑھ کر دل نور اور سرور کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ علی لطف (۱۱۰) نے بہت خوب کہا ہے کہ " سوز کا کلام سر سے پانوں تک سوز و ساز ہے اور پانوں سے سر تک ناز و نیاز ہے (۱۱۱)۔ کہتے ہیں " کہ وہ محرم درد عاشقان غم و اندوہ تھے "۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تصوف انسانی کردار اور مزاج کو بنانے اور سنوارنے میں بڑا مددگار اور معاون ثابت ہوا ہے اس کا عمل اس وقت اور کارگر ہوتا ہے جب شاعر

صوفیانہ مسلک پر خود بھی عمل پیرا ہو ۔ میر سوز اس راہ کے رہرو تھے اور ان کے اشعار میں صوفیانہ کیفیات کی صحیح اور واضح تصویریں ملتی ہیں ۔ اسی مسلک کو اختیار کر کے انھوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ تمام معاصرین ان کے حق میں کلمۂ خیر کہنے پر مجبور ہیں ۔ صوفیاء کا قول ہے کہ تصوف دراصل اخلاق کریمانہ کا نام ہے ۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑنا ، بچھڑوں کو ملانا ، بھٹکوں کی رہ نمائی کرنا ، ایثار ، قربانی ، عجز و انکسار اس مسلک کے رہ نما اصول ہیں۔ دوسروں کے غموں کی آگ میں جلنا ، غیروں کے دکھوں کو محسوس کرنا ، صوفیاء کا طریقہ خاص رہا ہے ۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ رموز کائنات کو جان لینے کے بعد انسان خود اپنے عبرت ناک انجام سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ خدا کیا ہے اور بندہ کون ہے ۔ تخلیق سے پہلے اس کی کیا حقیقت تھی اور وجود میں آنے کے بعد اس کا کیا مرتبہ ہے۔ بندے اور خدا کا تعلق ، پھر طلب الٰہی اور اس کے دشوار ترین مرحلے ، موت و حیات کی منزلیں ، ذہن انسانی کو ورطہ حیرت اور گرداب غم میں ڈال دیتی ہیں ۔ بقول حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ " جو شخص یہ جانتا ہے کہ موت آ کر رہے گی ، جو جانتا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی ، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اسے بہر حال ایک نہ ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے وہ خوش کیسے رہ سکتا ہے اس کے حزن کی کیفیت تو برابر بڑھتی چلی جائے گی ۔"

حقیقت یہ ہے کہ دل کی آنکھ جب کھلتی ہے تو کائنات کا بھرم کھل جاتا ہے طبیعت میں تجسس تلاش اور حقیقت کو پا لینے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اسی کو تلاش کے نام سے پکارا جاتا ہے اس معرفت کو حاصل کرنے کی لگن دل کو بے چین اور بے قرار رکھتی ہے ۔ یہی وہ نشاط انگیز حزن ہے جس کو علی لطف نے سوز و ساز کہا ہے ۔ غزل کی اصطلاح میں اس کو عشق حقیقی کہتے ہیں ۔ میر سوز کا کلام اس کیفیت سے لبریز ہے ۔

کیسا جمال آفریں ہو گا وہ لمحہ جب ازل میں تمام ارواح با ادب محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی ۔ اور جب صدائے الست کی ندائے دل نواز بلند ہوئی تو رگ و پے میں ایک کیف و مستی جاری و ساری ہو گئی۔ ہوش آیا تو خود کو اس عالم رنگ و بو میں پایا لیکن جو نگاہیں اس جمال دل فروز کی مشتاق ہوں اور جو کان اس نغمۂ جاوداں کو سننے کے لیے بے تاب ہوں ان کو اس عالم آب و گل میں کیوں کر تسلی ہو سکتی ہے ۔

الست کی صدا سے اب تک ۔ دل محو ہے یارب
بلا جانے ہماری نغمۂ داؤد کیسا ہے

اس عالم سرخوشی میں الست بربکم کے جواب میں قالو بلیٰ کا جو عہد ہوا تھا وہ عہد اس عالم امکان میں بھی یاد ہے ۔ وہ قیامت تک بھی بھول نہیں سکتا۔

زباں سے ہوسکے کب دلربا تیری ثنا کہنا — مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ واہ کہنا

قیامت تک نہ بھولے گی ہمیں اس آن کی لذت — ہمارا ہنس کے جی دینا تمھارا مرحبا کہنا

یہ زنداں خانۂ جہاں اس مرکز نور سے جدائی کا سبب بنا ہوا ہے۔ اس علیحدگی اور جدائی کے باوجود تصورات میں وہی منظر ہوشربا ہے اور اسی کو دیکھنے کے لیے جان و دل بے قرار ہیں

کسی بھی چیز کو میں نے نہ ڈھونڈھا دنیا میں — مگر وہی ہے تری جستجو مرے دل پر

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام — بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام

مجھے جوں شمع تیرے عشق میں یہ کچھ ہوا حاصل — جسے تا صبح دم روتے ہی روتے شام سے گذرے

شمع کی مانند اے اہل نظر — سوز میں جلتا ہوں ہر شب کیا کروں

ہمہ وقت بسط و قبض کی کیفیت طاری رہتی ہے اضطراب اور اضطرار میں کبھی گلہ ہے کبھی شکوہ، کبھی ناز ہے اور کبھی نیاز ۔

اس شوخ بے وفا و فراموش کار سے — مدت ہوئی کہ نامہ و پیغام کچھ نہیں

نہ تبسّم نہ ترحّم نہ نگاہ — کسی طرح یہ دل نادیدہ بھلا شاد رہے

سر اوپر شام آئی پاؤں چلنے سے تھکے یارب — کدھر جاؤں نہیں ہے کچھ سراغ کارواں پیدا

یہ حالت سخت اذیت ناک ہے ۔ ایک کرب مسلسل ہے جس میں شب و روز جلنا گھلنا اور کڑھنا پڑتا ہے ۔

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہوئے گا — آہ آسودہ جہاں میں کون سا دل ہوئے گا

---

اس عالم بے غمی سے لا کر — ہاں زیست بھلا مزا چکھایا

---

فنا کدے میں بھلا سوز آ کے کیا دیکھا — یہ زندگانی ہی کھوئی کہ کچھ نفع دیکھا

---

وہاں سے جاگتے جیتے یہاں تلک آئے — یہاں سے جاتے ہوے جو سنا ہوا دیکھا

اکیلے آئے اکیلے چلے خدا حافظ  بغیر درد کوئی بھی نہ آشنا دیکھا

---

کچھ ہووے تو ہو عدم میں راحت  ہستی میں تو ہم عذاب دیکھا

جو مشاہدات ہوتے ہیں اور جس قسم کی واردات سے سابقہ پڑتا ہے ان میں لاہوتی تفکّر اور تقدّس ہے ایک استغراقی کیفیت قلبی آسودگی طمانیت اور سکون پوشیدہ ہے ۔ جذب و کیف راز و نیاز اور سرور و انبساط کی فراوانی ہے ۔

رات آنکھیں تھیں مندی پر بخت نک بیدار تھا
تا سحر دل محو دیدار خیال یار تھا
گرچہ تھا وہ شمع رو فانوس میں تن کے ولے
پر وہاں شرم و حیا ہی مانع دیدار تھا
جھانکتا کیوں کر حصار تن سے میں محبوب کو
درد دل تو چشم بند رخنۂ دیوار تھا
یار مجھ میں تھا فدا میں یار میں فانی ہوا
غیر کیا سمجھے اسے جو تھا عجب اسرار تھا
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو
واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا

یہ تجلیات جو گاہے گاہے دل پر انعکاس کرتی ہیں طالب کی روح کو بے قرار کر دیتی ہیں، دل کی لگی میں اور اضافہ ہوتا ہے ۔ حزن و ملال میں اور زیادتی ہوتی ہے۔ روح سیہ خانہ، تن میں پھڑ پھڑاتی ہے ، نگاہیں اس جلوۂ جاں فزا کو دیکھنے کی مشتاق رہتی ہیں جو قلب و جگر کو گرما دیتا ہے :

کون سا دن ہو کہ میں وہ رخ زیبا دیکھوں
ناز کا اس کے بھلا میں بھی تماشا دیکھوں

یہ اشتیاق جب بڑھتا ہے دل سے آہ جاں سوز بلند ہوتی ہے ۔ نالہ و بکا اور آہ و شیون کا ایک شور برپا ہو جاتا ہے۔

دل مغموم عاشق کس طرح ہو شاد دنیا میں
نہ جانا جس نے غیر از نالہ و فریاد دنیا میں

---

ایک دم اس باغ میں آرام نہ پایا ہم نے
عمر جوں مرغ ہوا بال فشاں رکھتی ہے

صنم کے غم، غریبوں بے کسوں کے مونس و ہم دم
الٰہی تا قیامت تو رہے آباد دنیا میں

بالآخر وہ لمحۂ طرب انگیز بھی آجاتا ہے جس کا بے چینی سے انتظار تھا۔ چہار جانب عزیز و اقارب مونس و غم خوار و دمساز و چارہ ساز جمع ہیں۔ مشتاق نگاہیں بند ہیں لب خاموش پر نام محبوب کی مہر ثبت ہے، سکرات کا عالم طاری ہے روح دیار محبوب میں قدم رکھا ہی چاہتی ہے۔ سر بالیں بیٹھے افراد حال پوچھتے ہیں ذرا جواب ملاحظہ ہو:

رہنے دو اے محباں یک دم خموش مجھ کو
کرتا ہوں تم سے باتیں آنے دو ہوش مجھ کو

ایک سانس رکتا ہے۔ ایک آتا ہے فرشتۂ اجل کا ہاتھ کبھی آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے، شوق اس کشمکش کا متحمل نہیں، انتظار کی یہ آخری گھڑیاں بہت ناگوار گذرتی ہیں۔ بیان کی لطافت، ادا کی ندرت اور رمز و کنایہ میں اس کیفیت کو کتنی پر تاثیر انداز میں بیان کیا گیا ہے:

ساغر کو کر کے لبریز منہ میرے پاس لاکر ڈھکائے ہے پیاسے وہ بادہ نوش مجھ کو

خشک ہونٹوں سے ساغر وصل لگتا ہے روح قفس تن میں انگڑائی لیتی ہے طائر روح پرواز کے لیے تیار ہے لطافت، کثافت سے معرکہ آرا ہے روح اور جسم کی معرکہ آرائی میں تن پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور اس کی حالت حضرت علی کے الفاظ میں اس باریک ریشمی کپڑے کی سی ہوتی ہے جس کو خار دار جھاڑی میں پھیلا کر ایک طرف سے کھینچا جاے۔ یہ شکستہ و دریدہ جسم اب خاک میں ملا چاہتا ہے۔

یارو مت رو رو کے چھڑکو اب مرے منہ پر گلاب
لگ رہی ہے آگ دل میں ہو رہا ہے جی کباب

جنازہ تیار ہوتا ہے عزیز و اقارب جمع ہیں بے جان جسم کی حس باقی ہے۔ آخری سفر کی تیاریاں مکمل ہو رہی ہیں۔ تن مردہ زبان حال سے کہتا ہے:

اب کی نگہ نے اس کی بے خود کیا ہے دل کو
لے جاؤ اب رفیقو گھر تک بدوش مجھ کو

جنازہ اٹھتا ہے سوگوار قدم بہ قدم چلتے ہیں زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہے مرنے والے کے لیے اس کلمہ سے بڑھ کر کوئی کلمہ نہیں یہ وہ نغمۂ جاں فزا ہے جو ہر سو سے بلند ہو رہا ہے اس کی تکرار سے سکون و راحت حاصل ہوتی ہے

جنازے والو نہ چپکے قدم بڑھائے چلو
اسی کا کوچہ ہے ٹک کرتے ہائے ہائے چلو

قبر منہ کھولے ہوئے ہے وہ جسم جو حریر و اطلس کا خوگر تھا اب خاک میں ملنے والا ہے وہ عزیز جو مرنے والے کے لیے جان دینے کو تیار رہتے تھے اب خود اپنے ہاتھوں سے اسے مٹی میں دبا رہے ہیں۔ آخری منزل سر ہوجاتی ہے سب اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں شہر خموشاں کا نو وارد ہوش میں آتا ہے حساب کتاب کی گھڑی آگئی ہے۔ منکر نکیر روشنی کے دو نقطوں کی طرح آگے بڑھتے ہیں یہ لمحہ بہت سخت ہے خوف اور ہیبت طاری ہے اوسان خطا ہیں لیکن اس کٹھن موقع پر قوت ایمانی سہارا لیتی ہے مومن کے لیے یہ ترقی درجات کا وقت ہے ۔

الٰہی خیر کیجو سوز کی ، یہ روشنی کیا ہے
وہ شمع طور سا کچھ دیکھیو تو دور جلتا ہے

سوز کے کلام میں حیات اور بعد حیات کے پیچیدہ مسائل بہت پر تاثیر طریقے سے بیان کیے گئے ہیں ۔ ان کے ہاں فلسفہ نہیں حکمت نہیں ہاں رفعت اور جدّت ہے ، عرفانی حقائق وجدانی انداز میں جس طرح ان کے کلام میں ملتے ہیں دوسرے شعراء کے ہاں نظر نہیں آتے ۔ ان کے کلام میں قلبی کیفیات بڑی توانائی کے ساتھ موجود ہیں ۔ وہ ان کے اظہار کے لیے کسی تصنّع اور بناوٹ سے کام نہیں لیتے بلکہ جیسا محسوس کرتے ہیں اسی طرح بیان کردیتے ہیں ۔ ان کے ہاں جذبے کی شدید کارفرمائی ہے اس میں بڑی تاثیر ہے ۔ یہ انداز فکر رسمی اور روایتی نہیں بلکہ تجربے کی پیداوار ہے ان کے کلام میں ان کی اپنی بے قرار روح محسوس ہوتی ہے۔

صاحب دل کے لیے غم حیات ہی کیا کم ہے کہ غم روزگار کا شکار بھی ہوجائے ۔ لیکن جب تک سانس کا رشتہ قائم ہے اس وقت تک غم روزگار سے مفر بھی نہیں ہے اس دنیا میں قدم قدم پر رنج و مصائب کے ہجوم ہیں کون شخص ہے جو یہ کہہ سکے کہ غم دوراں سے محفوظ ہے۔ صوفی ہونے کے اعتبار سے سوز قلبی اور ذہنی طور پر محزون و مغموم ہیں ہی لیکن معاشرے کے فرد ہونے کے لحاظ سے وہ حوادث زمانہ کا شکار بھی ہوئے۔ انھوں نے ایک شریف اور بلند نام خاندان میں آنکھ کھولی ۔ معاشرے میں ان کو با عزت مقام ملا لیکن وہ دور اپنی حشر

سامانیوں کے باعث سخت اذیت ناک تھا۔ آئے دن کے انقلابات اور ہنگامے ، قتل و غارت گری ، ہنگامہ و فساد ، امن پسند انسان کے لیے سوہان روح ہوتا ہے ۔ ایسے متغیّر ماحول میں توقعات برعکس ثابت ہوتی ہیں دوستی کے پیمانے بدل جاتے ہیں اقدار ملیا میٹ ہوجاتی ہیں۔ وضع دار انسان بھرے ماحول میں خود کو اجنبی اور یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے وہ سکون دل کی خاطر مارا مارا پھرتا ہے کچھ ایسی ہی حالت سوز کی بھی تھی جس شہر میں وہ پروان چڑھے جہاں ان کے بے شمار دوست اور عزیز و اقارب تھے وہی شہر ان کے لیے اجنبی ہوچکا تھا نئے حالات ان کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ناچار وطن کو الوداع کہا اور فرخ آباد جا بسے " لیکن سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں " فرخ آباد کو چھوڑنا پڑا ۔ ٹانڈا منتقل ہونا نہ ہونا برابر ثابت ہوا ، فیض آباد میں کوئی توقع نظر نہ آئی۔ عظیم آباد اور مرشد آباد کی خاک چھانی اور پھر واپس فیض آباد چلے گئے۔ اس تمام عرصے میں انھوں نے بہت انقلابات دیکھے بلند کو پست اور پست کو بلندی پر پایا۔ غریب الوطنی ، مفلسی اور تنگیٔ معاش کی سخت آزمائشوں سے گذرے ، احباب کی سرد مہری ، خانگی پریشانیوں اور ناقدری کے احساس نے ان پر بہت برا اثر ڈالا ۔ آخری عمر میں جوان بیٹے کی موت نے دل پر کاری زخم لگایا ۔

یہ سب ذاتی مسائل اور شخصی مصائب تھے لیکن اس دگرگوں حالت میں وہ تنہا ہستی نہ تھے اپنی پریشانیوں کے باعث ان کے احساسات بہت لطیف اور گداز ہوگئے تھے لہٰذا دوسروں کو مبتلاے مصیبت دیکھ کر وہ گرفتار غم ہوئے ان کے مزاج میں ایک اضطراری اور اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ صوفیانہ درد مندی کے ساتھ جب دنیاوی غم ہجوم کرتے ہیں تو تصوّر اور تخیّلات کی دنیا میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے ۔ دل اپنی حالت پر کم اور دوسروں کے غم زیادہ کڑھتا ہے ۔ آنکھ اپنی حالت پر آنسو نہیں بہاتی دوسروں کے غم کی آگ بجھانے کے لیے برستی ہے ۔ یہ اور اسی قسم کے احساسات ہیں جن کے باعث سوز کے کلام میں غم و الم اور سوز و گداز کا شدید تاثر پایا جاتا ہے ۔ گردش روزگار ، بے مقدوری ، و بے سروسامانی اور نت نئے حوادث ان کے مزاج میں افسردگی پیدا کر دیتے ہیں اور جب یہ احساسات کلام موزوں بن کر زبان سے ادا ہوتے ہیں تو ان کی لے اور آہنگ پر سننے والوں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں ۔ ان کے کلام میں صوفیانہ تفکر اور تعمق درویشانہ عجز و انکسار اور سربہ زانو اور سربہ گریباں ہونے کی کیفیت کی شمولیت سے کلام میں ایسا سچا حزن پیدا ہوجاتا ہے جو براہ راست دلوں پر اثر کرتا ہے ۔ ان کے اشعار میں آہ و بکا نالہ و فریاد اور شور و واویلا نہیں اندر ہی اندر گھٹنے کا سا انداز

ہے ان کے خرمن صبر و ہوش سے شعلہ نہیں اٹھتا وہ من ہی من میں سلگتے ہیں

شعلہ اٹھا نہ تن سے ہمارے کبھی اے سوز
بھٹی کی طرح جل گئے کچھ من ہی من میں ہم

سوز کے کلام میں بہتات کے ساتھ ایسے اشعار ہیں جو سوز کو درپیش مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ پہلی چیز جو اس دور میں شرفا کو کھٹکتی تھی وہ نا اہلوں اور نالائقوں کا عروج تھا ۔ ایک مسلسل غزل میں سوز کے خیالات ملاحظہ ہوں۔

جن کو نہیں ہے کچھ سروسامان روزگار — بے شک وہی ہیں سرور سلطان روزگار

کس کی سموم آہ نے ابتر کیے چمن — آمادۂ خزاں ہے گلستان روزگار

روشن ہوا ہے کس کا چراغ امید آج — ہے بے فروغ شمع شبستان روزگار

رکھتے نہیں ہیں پاؤں زمیں پر غرور سے — برجا ہے ان کو کہیے سلیمان روزگار

اتنا بخار دل میں ہمارے ہے بھر رہا — گر دسترس ہو تا بہ گریبان روزگار

ایسا گلا دبوچیں کہ وو ہیں نکل پڑیں — جوں مہر و ماہ دیدۂ حیران روزگار

اے سوز اب زبان کو اپنی خموش کر — سنتے کہیں نہ ہوویں حریفان روزگار

غالباً ایسے ہی خود پرستوں کو مخاطب کر کے سوز نے کہا ہے :

چشم عبرت کھول کر ٹک دیکھ تو اے مست خواب
دہر نے کن کن ملوکوں کا کیا خانہ خراب
مسند فرعونیت پر بیٹھتے تھے جو یہ ناز
اہل استحقاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب
خاک میں یکساں ہوے ایسے کہ کچھ ظاہر نہیں
کون سا ان میں ہے رستم کون سا افراسیاب

اور

نام و نشان تھا جن کا بڑا آن شان میں
نام و نشان ان کا نہیں اب جہان میں
آئینہ سا غبار تھا مکھڑے کا جن کے رنگ
وہ تہہ بہ تہہ دبے ہیں اس خاکدان میں

ایک دوسری غزل میں بھی ایسے ہی خیالات ملتے ہیں :

بستیاں بستی ہیں اور اجڑے نگر آباد ہیں
وے کہاں جن کے جدا ہونے سے ہم ناشاد ہیں

فرق اتنا ہے کہ تم صاحب کہاتے ہم غلام
آدم و حوا سے ہیں سب ایک کی اولاد ہیں

نام کو محبوب صورت مہر و مہ سے بھی دو چند
گر عمل دیکھو تو پھانسی گیر یا جلاد ہیں

اے عزیزو اٹھ گئے دنیا سے یوسف طلعتاں
اور جو باقی ہیں سو فرعون ہیں شداد ہیں

کان رکھ کر سنیو اس ڈھب کی سخن کرتا ہے سوز
حالت غم میں بھی جس کو شوخیاں یہ یاد ہیں

منقلب زمانہ اور غیر یقینی حالات کے بارے میں کہتے ہیں :

رات کو امید کچھ ہے دن کو ہوجاتا ہے کچھ
کیا کروں شکوہ الٰہی گردش افلاک کا

کرے ہے گردش دوراں طرح ہنڈولے کی
ہر ایک شخص کو یاں گاہ پست و گاہ بلند

ایک زوال پذیر معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں ان میں سب سے اہم خرابی نفاق آمیز اتحاد کی ہوتی ہے سوز اس قسم کے لوگوں سے شاکی نظر آتے ہیں جو اب خود کو سوز پر نکتہ چینی کا اہل سمجھنے لگے تھے ۔ ہجوم ناکساں میں اہل ہنر کو جس اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ناقابل بیان ہے ۔ سوز ایسی ہی اذیت میں مبتلا نظر آتے ہیں :

خموش حسن کی مجلس میں خصم جاں ہیں تمام
مثال شمع جلانے کو یک زباں ہیں تمام

جنھوں کو بات نہ کہہ آئی ساری عمر کبھی
ہمارے عیب کے چننے کو نکتہ داں ہیں تمام

میں کس کا نام لوں کیا پوچھتے ہو جب گرجاؤ
نہیں ہے غیر کوئی میرے مہرباں ہیں تمام

سوز کے ہاں شکایت دوستاں کی فہرست کافی طویل ہے :۔

اس عصر میں ہوے ہم یہ بھی خدا کی قدرت
جس عصر میں سراسر اپنے ہوے بگانے

---

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی
بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے

---

یار اغیار ہوگئے واللہ کیا زمانے کا انقلاب ہوا

---

ہوئی ہے دوستوں کی جب سے دوستی معلوم
نہیں ہے خوف مجھے دشمنان جانی سے

---

بوے وفا و رنگ محبت نہیں ہے یاں　　یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اٹھا

---

یہ میری آنکھ کی تقصیر ہے کیا دوش دوں ان کو　　جسے غم خوار سمجھا میں اسے اہل وفا دیکھا

---

میں بلبل کی طرح نالاں نہ رہتا باغ دنیا میں　　جو کچھ بھی داد اس دل کی کوئی فریاد رس دیتا

---

جہاں کے بیچ غم و دکھ کہوں سو میں کس سے　　سوائے غم کے مرا اور غم گسار نہیں

---

جن کو اپنا نور چشم و راحت جان تھا کہا　　وہ تو مثل مار ہو بیٹھے نرے بد ذات حیف

سوز خود کو اس ماحول میں بالکل اجنبی محسوس کرتے ہیں اس وقت ان کو ان دوستوں کی یاد آتی ہے جو ساتھ چھوڑ چکے ہیں :۔

سینے میں دل کہاں ہے غم رفتگاں سے سوز　　آخر یہ رہ گیا ہے نشاں کاروان کا

جن کو نت دیکھتے تھے اب والہ　　دیکھنا بھی خیال و خواب ہوا

کدھر جاتے رہے یہ یار یارب　　کوئی بیٹھا نہیں اب انجمن میں

سلام شوق پہنچانا ہمارا　　کسی کا گر گذارا ہو عدن میں

صحبت یک دیگرے یارو غنیمت جان لو　　آج جو موجود ہے سو کل خیال و خواب ہے

طاقت کہاں کہ کیجے پرواز اب قفس سے　　باہر نہیں نکلتی آواز اب قفس سے

دے داد کون یارب اس نالۂ حزیں کو　　آزاد ہوگئے سب دم ساز اب قفس سے

کیا تماشا ہے عدم میں اس جہاں سے جو گیا　　پھر نہ آیا اس طرف کیا جانیے کیا ہوگیا

یہ تمام عوامل سوز کے کلام میں غم دوراں کی شدت کو بہت بڑھا دیتے ہیں ۔ شدید قسم کی مایوسی اور قنوطیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس دنیا سے بے زار نظر آنے لگتے ہیں :

نہ اپنوں نے کہیں پوچھا نہ بے گانوں نے آ دیکھا
الٰہی اس جہاں میں آن کر جز رنج کیا دیکھا
اٹھالے یا الٰہی اس جہاں سے مجھ کو اب جلدی
اب اس کے آگے دیکھوں اور کیا میرے خدا دیکھا

جو آیا اس جہاں میں ، جب گیا شاکی گیا یارب
کوئی مداح دنیا کا کسی نے بھی سنا دیکھا
کسی کو اس نے رتبے پر چڑھایا بھی تو دو دن میں
بسانِ اوجِ فوّارہ وہیں الٹا گرا دیکھا
جو اپنے دل میں سمجھے آپ کو سب سے بڑا دانا
اسے اس گردشِ چرخِ ستم گر سے پسا دیکھا

اور

عمر آخر ہوئی دلے افسوس زندگی کا نہ کچھ مزا دیکھا

## ۳۔ معاملاتِ حُسن و عشق:

عشق حقیقی کا جو گہرا اور واضح تصور سوز کے کلام میں نظر آتا ہے وہ بہت کم شاعروں کے ہاں ملے گا ۔ لیکن عشق مجازی کے نقوش ان کے ہاں بہت دھندلے اور غیر واضح ہیں دنیاوی عشق و محبت سوز و گداز ، جانسوزی ، جاں سپاری و جاں نثاری کی کیفیات ان کے کلام میں خال خال ہیں ان میں واقعیت اور اصلیت نظر نہیں آتی ایسے مضامین محض رسمی اور رواجی طور پر ملتے ہیں ہر چند وہ عشق کے دعوی دار ہیں جان سے گذرنا وہ اپنا شیوہ قرار دیتے ہیں لیکن ناظر کو یہ ایک نظر میں معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے ہاں وفا کیشی کے جذبے کا فقدان ہے ۔ محبوب کا تصوّر بھی ان کے ہاں دوسرے شاعروں سے مختلف ہے وہ حسین پیکروں کی نقاشی نہیں کرتے اور نہ حسن و عشق کے مسائل زیر بحث لاتے ہیں ۔ واردات قلبی اور داخلی کیفیات جو ایک عاشق کے دل میں کروٹیں لیتی ہیں سوز کے ہاں کمیاب ہیں ۔ میر تقی میر کے ہاں عشق کی جو کسک ہے سوز اس سے نا واقف ہیں ۔ معاملات حسن و عشق کے نازک رشتے وہاں نظر نہیں آتے ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردو فارسی کے شاعروں کی تقلید میں وہ ان موضوعات کو نبھانے کی کوشش کرتے ہیں ان کا محبوب کبھی مذکر ہے اور کبھی مونث بعض جگہ وہ محض طفل کم سن ہے ۔ یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ پردہ دار ہے یا بے پردہ ، شاید خانگی ہے یا شاہد بازاری تاہم یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا محبوب سرکش ہے ، قاتل ہے ، ستم پیشہ ، شوخ ، اور وفا ناآشنا ہے اسے جدھر اٹھانے ، تلوار کھینچنے ، تیغہ لگانے اور دشنام طرازی سے کوئی عار نہیں ہے وہ چٹکیاں لیتا ہے ، منہ چڑاتا ہے ، ہونٹ چباتا ہے ، اور نچلا بیٹھنا نہیں جانتا جب وہ دامن سوار تھا تب اس پر لاکھوں مرے اب دیکھیے کہ سوار ہونے کے

بعد کیا ہو

سوار جب تئیں دامن کا تھا مرے لاکھوں　　خدا ہی خیر کرے اب تو نے سوار ہوا

غالباً یہی " نے سوار " جب عمر کی کچھ اور منزلیں طے کر لیتا ہے تو آفت کا پرکالہ بن کر سوز کے لیے بلائے جاں ہوجاتا ہے :۔

ہر گھڑی چٹکیاں نہ لو صاحب　　اب تو یہ پیار خوش نہیں آتا

منہ چڑاتا ہے آپ ہی آپ کھڑا　　آپ پھر کھلکھلا کے ہنستا ہے

زلفوں کا منہ پر ڈھانپنا ہونٹوں کا ہر دم چاٹنا　　ہر کوئی رکھتا ہے جگر اتنی بلا یکجا نہ کر

یہی محبوب بعض جگہ ایک حسین اور طرح دار نوجوان کے روپ میں نظر آتا ہے وہ اپنی طرح داری اور دل نوازی کے باعث حسیناؤں کا محبوب ہے :

منہ سے لگا ہے کاجل مسی گلے سے چمٹی　　وہ کون چلبلی تھی جس پاس سو کے آیا

ہونٹوں پر تو لگا ہے کاجل　　کس کی آنکھوں نے تیرا بوسہ لیا

## ۴۔ شوخی و ظرافت :

عشقیہ مضامین سوز کے ہاں دوسرے شاعروں سے بالکل مختلف طریقے سے پیش کیے گئے ہیں ۔ ان میں ایک خاص قسم کی بے باکی اور سپاہیانہ بانکپن نظر آتا ہے ۔ یہ خوش دلی جو ان کے فن میں موجود ہے ان کی اپنی طبیعت کا اصل جوہر ہے ، اور جس کی طرف بیشتر نقادوں نے اشارہ کیا ہے ۔ میر (۱۱۲) ان کو خوش طبع کہتے ہیں۔ شورش (۱۱۳) کا بھی یہی قول ہے ۔ سرور (۱۱۴) کہتے ہیں کہ ان کے اشعار ظرافت طبع معلوم ہوتے ہیں ۔ گارسین دتاسی (۱۱۵) لکھتے ہیں کہ طرز ایسا مسرت بخش ہے کہ وہ ایک نئے مدرسۂ شعر کے سربراہ سمجھے جاتے ہیں ۔ کریم الدین (۱۱۶) نے انھیں ظریف الطبع کہا ہے ۔ طبیعت کی یہ ظرافت ان کے عشقیہ کلام میں بہت دل کشی کے ساتھ ملتی ہے وہ اپنے ہٹ دھرم ، ضدی ، بد زبان ، سرکش اور گستاخ محبوب کی باتیں مزے لے لے کر سناتے ہیں

لگا کہنے کہ خط پڑھ کر کئی اک گالیاں دی ہیں

جو میں پوچھا یہ قاصد سے　　کہ کچھ انعام سے آیا

بوسے کی طلب سے تو رہے گا یہی اے دل
جب گالیاں دو چار وہ تنخواہ کرے گا

ہوتا نہیں ہے مجھ سے تو اے بدگمان صاف
دیتا ہے گالیاں تو مجھے آن آن صاف
کہتا ہوں میں کہ میری تو تقصیر کچھ پتا
کہتا ہے ہوتی ہے مری تجھ پر زبان صاف

اور تو جتنی ادائیں اس کی ہیں میں کیا کہوں
پر قیامت تک نہ اس کی بھولے گی " دت " اور " بک "
سوز کا دل خوش ہوا جاتا ہے وعدے سے میاں
پر غضب یہ ہے کہ وقت ہی پر مکر جاتے ہو تم

سوز کا محبوب تو خیر " دت " اور " بک " کرتا ہے اور محبوبوں کو یہ سزاوار بھی ہے لیکن سوز بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ان کے محبوب میں اگر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے تو سوز میں بھی کچھ کم اکھڑپن نہیں۔ دونوں کے مابین جو کچھ گذرتی ہے اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں وہ خالی از دل چسپی نہیں یہ آپس کی باتیں سوز غیروں تک کو سنا دیتے ہیں اور اس وقت ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا محبوب ان کو گالیاں دینے اور مارنے سے نہیں جھجکتا تو سوز بھی اس کو صلواتیں سنانے سے نہیں ہچکچاتے۔ اگر محبوب بد زبان ہے تو سوز بھی خوش کلام نہیں اگر محبوب بے وفا ہے تو سوز بھی وفادار نہیں، اگر محبوب شوخ و شنگ اور اچکا ہے تو سوز بھی کچھ کم چھیڑ چھار کے عادی نہیں ۔ ان کی چھیڑ میں بہت شوخی اور تیر و نشتر ہوتے ہیں ۔ یہ انھیں کے محبوب کا حوصلہ ہے جو برداشت بھی کرتا ہے اور ترکی بہ ترکی جواب بھی دیتا ہے۔ بھلا بتائیے یہ جان بوجھ کر چھیڑنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

بوسہ لیتے ہوئے کل اس سے جو پوچھا میں نے — سچ کہو تم کو بھی کچھ اس میں مزا آتا ہے
غصہ ہو کر یہ لگا کہنے کہ میں حیراں ہوں — تجھ کو کچھ اور بھی ان باتوں سوا آتا ہے
بوسہ جو لیا تو مسکرا کر کہنے لگا چھی یہ کیا مزا ہے

جب کہتا ہوں پاکباز ہوں میں　　مجھ پاس جو تو [illegible]
کہتا ہے کہ کیوں نہ جانتا ہوں　　ایسا ہی تو نیک پارسا ہے

---

ایک دن ایک شخص نے اس سے کہا　　تو نے تو یہ ذکر سنا ہووے گا
یعنی کہ عاشق ہے ترا جی سے سوز　　ہو متبسّم یہ کیا " ہووے گا "

---

اس سے کہا کسی نے کہ لے سوز بھی موا　　کہنے لگا کہ پنڈ بھی چھوٹا بھلا ہوا

---

پر اتنی بات کہہ کے یہ بولا ہزار حیف　　" طوطا ہمارا اڑ گیا کیا بولتا ہوا "

---

اک روز کہا یہ میں نے اس سے　　اک بوسہ تو دے مجھے وہاں کا
تلوار اٹھا کے کہنے لاگا　　ایسا تو یار ہے کہاں کا

---

کھڑا سر پہ ہو کے لگا کہنے کیوں بے　　مزا تجھ کو اب عاشقی کا چکھا دوں

---

یہ اطوار تو سوز کے محبوب کے ہیں ۔ اب ذرا سوز کے بات کرنے کا طریقہ بھی ملاحظہ ہو اردو شاعری ایسی ادا بندی ۔ ایسی معاملہ بندی ۔ راز و نیاز اور معاملات عاشقانہ کی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کون سا عاشق ایسا ہوگا جو محبوب سے اس طرح کلام کرے :

سوز کا دل گر نہیں ہے کام کا تو پھیر دو　　اس سے اچھا چاہیے تو مول لو بازار سے

---

دل تو پہلے ہی اچک کر لے گیا　　کون سے دل سے تجھے میں دوں دعا
چوری اور سرہنگی لا دل پھیر دے　　سر ہلاتا ہے؟ نہیں تو نے لیا؟
ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے　　مت بغل میں پیں اسے وہ پس گیا
... تجھ سے کیا برے اطوار ہیں　　یہ اچک پن سنگدل کس نے دیا

---

دیکھو اچک پنا تم آتا ہے پھر شتابی　　دل چٹ کیا کبھی کا مانگے ہے پھر دوبارا

---

تو کہتا ہے کیا ہاتھ منہ پر پھرا کر　　بہت خوب مطلب ترا میں نے پایا
بغل میں عبث ڈھونڈھتا ہے پرے ہو　　جو دل تھا سو تونے کہیں جا چھپایا
پڑا سوز کا لاشہ سڑتا ہے در ہو　　ارے تونے کوئی گڑھا بھی کھدایا

---

سوز نے دامن جو ہیں پکڑا تو بس وہیں جھٹک　　کہنے لاگا ان دنوں کچھ زور چل نکلا ہے ہشت

---

کہا جب سوز نے تک زلف کو تو کھول دے بولا　　میں سمجھا ہوں کہ تیرا دل ہوا ہے مار کھانے کو

---

میر سوز کی یہی ہر کتیں ہیں جن کی وجہ سے ان کو بعض اوقات ایسے حالات اور خطرات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے :

کل جو میں گذرا اس کی گلی میں ، غرفے میں سے للکارا
ہے کوئی حاضر ڈیوڑھی پر مت اس کو جیتا جانے دو

اور

پوچھا کسی نے سوز کو مارا تو کس لیے　　بولا مجھے وہ گھورے ہے ہر آن ، آن آن

عاشق اور محبوب کے درمیان یہ طنز و اشارہ ، رمز و کنایہ سوز کے بعد اگر کسی دوسرے شاعر کے ہاں ملتا ہے تو وہ غالب ہیں۔ سوز کے کلام میں جو شوخی بے پردہ ہے غالب کے ہاں اس میں بڑی حد تک پردہ داری ہے۔ جس قسم کی چھیڑ چھاڑ سوز کے کلام میں ہے اسی نوعیت کی شوخی غالب کے ہاں بھی موجود ہے بلکہ بعض جگہ ایک ہی قسم کے مضامین ملتے ہیں :

سوز :
میں ہونٹوں کو یوں اپنے غنچہ بنا کر　　ادا فہم کو دور سے منہ دکھایا

غالب :
غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں　　بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

سوز :
خدا وہ دل کرے ہو دے جو کوئی تند خو تجھ سا　　ترا دل راغب اس پر وہ ترا مرغوب ہم دیکھیں

**غالب:**

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر — آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا — بارے اپنی بے کسی کی پائی ہم نے داد یاں

**سوز:**

یا کسی کا بن کے خدمت گار یا مزدور ہو — جب گیا میں دیکھنے اس کو اسی عنواں گیا

**غالب:**

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری — تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

**سوز:**

مکھڑے کو دیکھتے وہیں آئینہ کو پٹک دیا — دیکھ سکا نہ آپ کو دیکھیے اس غرور کو

**غالب:**

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ — جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

**سوز:**

بہت ہنستے تو ہو تم میرے رونے پر میاں صاحب — کبھی آئینہ دیکھو گے تو سمجھو گے میاں صاحب

**غالب:**

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے — صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

**سوز:**

میں جس کے پاس بیٹھا لگا کہنے حال دل — اپنے ہی دل کے غم کی وہ لے داستاں اٹھا

**غالب:**

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی — وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغِ ستم نکلے

**(درد):**

گیا جس پاس میں عالم میں اپنا دردِ دل کہنے — بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

**سوز:**

عزیزو سوز کا جینا غنیمت جان لو ورنہ — نہیں ہونے کے پھر دنیا میں ایسے نوحہ زن پیدا

غالب :

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے　　لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

میر سوز کی عشقیہ شاعری کا یہ انداز ان کا اپنا ہے ، نہ انھوں نے کسی کی پیروی کی اور نہ کوئی دوسرا شاعر ان کی تقلید کرسکا یہ طعن و طنز ، یہ چھیڑ چھاڑ یہ نوک جھونک ان کے کلام میں بڑی زندہ دلی پیدا کر دیتی ہے ۔ حقیقت میں یہ طالب و مطلوب کے راز و نیاز نہیں بلکہ ایک طرح کا چونچلا ہے ، میر سوز کا یہ چونچلا ان کی شاعری کے مستقل عنوان کی حیثیت رکھتا ہے اس کے وہی بانی و خاتم ہیں یہ چونچلا ان کو کتنا مرغوب تھا اس سے قطع نظر ناظرین کے لیے بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا محبوب اور ان کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں ان میں ظاہر داری کتنی ہے اور قلبی تعلق کو کتنا دخل ہے اس کو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا ۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر ناز ضرور کرتے ہیں ۔ اس تلخ کلامی میں نفرت نہیں بلکہ تعلق خاطر ملتا ہے ۔ اس چونچلے میں بڑا پیار ، بڑی ناز برداری ، اور خاطر داری ہے شوخی ظرافت ، خوش دلی اور طنز و مزاح کے ساتھ طالب و مطلوب کی بول چال بہت دل کش اور پر لطف ہے ۔ نقل قول کی تازگی کا جو حسن یہاں نظر آتا ہے وہ بہت کم یاب ہے :

کسی نے اس کو جتا کے پوچھا کہ دیکھیو سوز کیا یہی ہے
مجھے جو دیکھا تو ہنس کے بولا "پھرے ہیں ایسے تباہ لاکھوں"

میں کہا شب آج یاں رہیے تو یوں بولا وہ شوخ　　"رات کے رہنے سے میرے مدعا مطلب غرض"
کہا میں سوز کو للچ ہے تیرا ہنس کے وہ بولا　　کہو للچ سے کیا ہوتا ہے بہتیرا کرے للچ "
جاتا ہے سوز جس دن کہتا ہے ہم دموں سے　　" آنے نہ دیجو اس کو لگتا ہے بد نظر سا "
سوز کا جب احوال کسی نے اس سے کہا میاں جلتا ہے　　آگ بگولا ہوکر بولا " جلتا ہے جل جانے دو "
میں کہا اس شوخ سے ہم سے کبھی ہو شادماں　　ہنس کے یوں بولا " دل عاشق تو غمگیں چاہیے "
کسی نے اس سے پوچھا سوز بھی اب شعر کہتا ہے　　تو کیا کہتا ہے "ہاں وہ اب بہت باتیں بناتا ہے
موا جب سوز تب بولا کہ ہاں دل سوز تھا میرا　　نہ لیجو نام اس کا آہ میرا جاں نکلتا ہے
وقت آخر سوز کے پہلو سے کہہ کر اٹھ گیا　　" کس جگر سے پاس بیٹھے کوئی اس بد حال کے "
مجھ سے کہتا ہے کہ " تیری خو مجھے بھاتی نہیں　　چھوڑ بیٹھا جا کہیں کیوں تجھ کو موت آتی نہیں "

پہلے کہتے تھے کہ " ہاں ہے سوز اچھا آشنا "
اب لگے کہنے کہ " کیسا سوز کس کا آشنا "

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

کہیں گالی کہیں گھونسا کہیں جھڑکیں کہیں جدھر
نہ کیجو بند تو زنہار ایسی خیر جاری کو

یہ غضب ہے کہ چپ رہو تو کہے
نقش دیوار خوش نہیں آتا

اور جو کچھ کہو تو کہتا ہے
مجھ کو تکرار خوش نہیں آتا

---

راہ میں کل اسے جو گھیر لیا
یعنی آنکھیں ذرا ملا دیکھے

مجھ سے شرما کے بولتا ہے کیا
"اور جو کوئی آشنا دیکھے"

---

رات اندھیرے اجالے گلیوں میں
جو تجھے کوئی مل گیا ہو گا

دیکھیو تجھ کو میرے سر کی قسم
اس گھڑی تیرے دل میں کیا ہو گا

سوز کو تو نے کیوں دیا بوسہ
ہم کو بھی دے ترا بھلا ہو گا

---

تو جو پوچھے ہے کہ " تیرا دل بتا کس نے لیا"
پر حیا آتی ہے مجھ کو مت لگا کس نے لیا

چوری اور سرہنگی ہم آنکھیں نہیں پہچانتے
مت خفا کر مجھ کو جا پھر تجھ کو کیا کس نے لیا

مال میرا ہے ابھی یہ چھین لوں تو کیا کریں
چڑ نکالی ہے یہ میری واہ وا کس نے لیا

باز آ اس گفتگو سے لے لیا تو لے لیا
بس مرا منہ مت کھلا کس نے لیا کس نے لیا

تو ہے یا میں ہوں، دو یا دل تھا، .... میں ترا
تو ہی بتلانا، کہ ہم میں سے چرا کس نے لیا

---

جا جا مرے پاس سے تو جا جا
تو یہ جو تجھے کہوں میں آجا

جا بیٹھ انھیں کے پاس در ہو
جو یہ کہیں لب سے لب ملا جا

مر جاے بجے گا تیری سفلے
اب کوچہ بہ کوچہ دل کا باجا

جا اٹھ دور ہو کہیں دفع ہو
اوروں کو نہ خاک میں ملا جا

پہلے جو قرار لکھ گیا تھا
اس کو آنسو سے لے مٹا جا

غربا سے کام کیا تجھے، چل
تجھ کو کہتا ہے اب تو راجا

شکر حق چھپ چھپ کے تم بھی اب کہیں جانے لگے
گالیاں دیتے تھے ہم کو آپ بھی کھانے لگے

مجھ کو کہتے تھے کہ در ہو بے وفا چل بھاگ جا
بے وفا اپنے تئیں سن سن بھڑک جانے لگے

بات ہم کرتے تو کہتے تھے کہ بس ... نہ کر
اپنی باتوں پر بھلا کیوں جھڑکیاں کھانے لگے

یا ہمارے کہنے پر ہر دم اٹھاتے تھے جریب
یا تو اپنی بات پر اب ٹھوکریں کھانے لگے

میرے غش کو دیکھ کر کہتے تھے سارے مکر ہیں
کیوں کسی کے سامنے اب آپ غش کھانے لگے

یا تو لے لے دوڑتے تھے میرے اوپر تیغ و تیر
یا کسی کے تیر مژگان آپ تم کھانے لگے

جس طرح دیوار و در سے ہم نے ٹکرایا تھا سر
آپ بھی دیوار و در سے سر کو ٹکرانے لگے

یا وہ لیتے تھے کسی کے دل کا ہدیہ ناز سے
یا تو دل اب ہاتھ پر رکھ رکھ کے لے جانے لگے

یا تو میری عرض پر کہتے تھے مت پھسلائیے
یا تو سو سو مکر سے اب آپ پھسلانے لگے

اپنے ہاتھوں سوز نے جیسا کیا پایا میاں
سوز سے جیسا کیا تھا تم بھی اب پانے لگے

---

نپٹ کچھ ان دنوں مغموم ہو ، غم خوار کس کے ہو
کہے اب گھورتے ہو دیدہ خوں بار کس کے ہو

یہ ٹھنڈی سانس ہر دم کس سے سیکھی کیا ہوا تم کو
بھلا ہم سے تو بولو طالب دیدار کس کے ہو

وہ شوخی وہ شرارت وہ ہر اک کا منہ چڑا دینا
کدھر جاتا رہا اب سچ کہو بیمار کس کے ہو

نہ وہ جامے کی ٹھیک ہے گی نہ وہ دستار کی بندش
نہ وہ اٹھکھیل کا چلنا یہ اتنے خوار کس کے ہو

کسے تم پوجتے ہو کون سا بت تم سے بہتر ہے
ہوئے ہو کس کے کافر در گلو زنار کس کے ہو

ہمارا حال سنتے نیند آتی تھی تمھیں کیوں جی
یہ راتوں کا تڑپنا طالع بیدار کس کے ہو

جو ہم تک سانس بھرتے تو کلیجے پر دھموکے تھے
تم اب سر پیٹتے ہو آہ ماتم دار کس کے ہو

خدا کو مان پیارے آ کسی کا آشنا مت ہو
نہ ہوگا وہ تمھارا جس طرح تم یار کس کے ہو

نہ جانی تو نے اپنی قدر تو خود جان عالم تھا
یہ مثل سوز اپنی جان سے بیزار کس کے ہو

---

غالب کے ہاں عشق کا جو تصور ہے وہی تصور ہمیں سوز کے ہاں ملتا ہے۔ اردو شاعروں کے ہاں عشق کی عظمت کے دو نشان قیس اور فرہاد ہیں لیکن غالب نے صرف قیس ہی کے اصول عشق کو تسلیم کیا ہے۔ وہ فرہاد کو سچا عاشق ماننے کے لیے تیار نہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ صحرائے عشق میں " جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار" ۔ انھیں فرہاد کی نیک نامی ایک تو اس وجہ سے منظور نہیں کہ عشق و مزدوری عشرت گہِ خسرو کیا خوب ، دوسرے ان کا کہنا یہ ہے کہ عشق وہ مقام ہے جہاں زندگی کا تصور باطل ہو جاتا ہے قیس نے لیلیٰ سے محبت کی ، زندگی بھر اس کی جدائی کے غم کو جھیلا اور لیلیٰ کی موت کے اندوہ ناک حادثے کو برداشت کیا اور مردانہ وار تمام عمر اس کے غم کو کلیجے سے لگائے رکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ " عشق نبرد پیشہ" ہے اور وہ ہمیشہ " طلب گار مرد" ہوتا ہے ۔ کم ہمت اس سے پنجہ آزمائی نہیں کر سکتے کیوں کہ جو اس میدان کے مرد نہیں ہوتے وہ " دھمکی ہی میں مر جاتے ہیں"۔ شیریں کی موت کی خبر دراصل فرہاد کو عشق کی دھمکی تھی اس میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ عشق کا مقابلہ کرتا ۔ مزید یہ وہ عشق کے اس تصور سے ناواقف تھا کہ دعوی عشق کے معنی دعوی فنا کے ہیں جس نے عشق کیا گویا اس نے موت کی منزل کو سر کر لیا ۔ لہذا وہ یہ نہیں کرتا جو فرہاد نے کیا یعنی

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسد
سرگشتہ خمار رسوم و قیود تھا

سوز بھی فرہاد کی جوئے خوں کے مقابلے میں قیس کے دیدہ خوں بار کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

گو کہ سر پھوڑ کے جو ، خوں کی بہادے فرہاد
لیک مجنوں سے ترے دیدہ خونبار کہاں

یہ بہت حیرت ناک بات ہے کہ سوز کا نظریہ غالب نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی تشہیر بھی کی غالب بھی ظریف الطبع تھے انھوں نے بھی دنیاوی مصائب کا ہنس کھیل کر مقابلہ کیا۔ اس لحاظ سے غالب اور سوز کے مزاج میں بڑی مطابقت ہے اور خوش طبعی کا یہ انداز سوز نے ایجاد کیا غالب نے سب سے زیادہ کام یاب طریقے سے اپنایا۔ فن شاعری میں مزاح اور خوش دلی کے موجد سوز ہیں اور غالب اس کے کام یاب مقلد اور مجدد۔

---

**۵۔ انشاد :**

سوز کے ہاں مکالماتی انداز بھی پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے ۔ غالب کے کلام میں بھی اس کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔

اردو شاعروں میں صرف میر سوز ہیں جنھوں نے انشاد کو اختیار کیا اور اشعار کو جسمانی اعضا کی حرکت کے ساتھ پڑھا۔ ان کے کلام میں مکالماتی انداز تو پایا ہی جاتا ہے لیکن انھوں نے ایکٹنگ سے بھی کام لیا اور ہاتھ آنکھ وغیرہ کے اشاروں سے اپنے کلام کی وضاحت کی۔ شوق (۱۱۷) لکھتے ہیں کہ وہ شعر کو نادر انداز سے اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہاتھ آنکھ بلکہ تمام اعضا حرکت میں آجاتے ہیں۔ میر حسن (۱۱۸) کا قول ہے کہ ان کے اشعار ان کی زبان سے سننے میں زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ علی ابراہیم (۱۱۹) نقل کرتے ہیں کہ شعر کو بطور خاص اور مرغوب پڑھتے تھے۔ ذکا (۱۲۰) نے لکھا ہے کہ شعر ایسے طریقے سے پڑھتے ہیں کہ الفاظ کا صحیح طریقے سے تلفظ ادا ہو جاتا ہے۔

علی لطف (۱۲۱) بیان کرتے ہیں کہ شعر پڑھنے میں صاحب طرز خاص تھے ۔ سرور (۱۲۲) کہتے ہیں کہ شعر کو ایسی نزاکت اور فصاحت سے پڑھتے ہیں کہ دوسرا اس طرح نہیں پڑھ سکتا۔ شاہ کمال (۱۲۳) نے بھی شعر پڑھنے کی خوبی کا ذکر کیا ہے ۔ قاسم (۱۲۴) کی روایت بھی یہی ہے

کہ ان کی طرح شعر پڑھنا کسی کو نہیں آتا۔ تمام اہم اور معتبر تذکرہ نگاروں نے سوز کے اس کمال کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جذبے کی شدت جس قدر زیادہ ہوتی ہے بیان میں اسی قدر جوش اور ولولہ ہوتا ہے ۔ جذبہ اظہار مدعا کے لیے صرف زبان کا سہارا ہی نہیں لیتا بلکہ جسمانی اعضا بھی ادائے مطلب میں مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔ ایسے موقعوں پر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خاص قسم کے صوتی تاثرات کے حامل ہوتے ہیں ۔ ان الفاظ کو اگر رشتہ تحریر میں پرو دیا جائے تو ان کی بندش ، ساخت اور ادائیگی کا انداز عام تحریر سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تحریر ناظر سے اُسی ادائیگی کی متقاضی ہوتی ہے جس جذبے اور صوتی اثرات کی وہ خود حامل ہے ۔ میر سوز کے اشعار میں یہی کیفیت چھپی ہوئی ہے۔ فن انشاد کا مطالبہ یہ ہے کہ شعر کو اس طرح پڑھا جائے کہ پوری تصویر سامنے آجائے۔ یہ فن بڑی ریاضت چاہتا ہے۔ اس میں بڑی فہم ، چابک دستی اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ یہ فن گویا تفصیل نگاری کا فن ہے۔ اس میں ایکٹنگ کی ضرورت ہے۔ مضمون کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ہوتا ہے ۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سوز فن انشاد کے ماہر تھے اور شعر پڑھتے وقت مجسم شعر بن جاتے تھے ۔ میر سوز کے اس کمال نے اتنی پختگی حاصل کر لی تھی کہ ان کے اشعار ، ہر پڑھنے والے سے بھی یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ان کو انھی تاثرات کے ساتھ ادا کیا جائے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں گویا میر سوز کے اشعار میں ایک ڈرامائی اور صوتی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اس خوبی نے ان کے کلام کو چار چاند لگا دیے ہیں بقول آزاد (۱۲۵) تم بھی خیال کر کے دیکھ لو ان کے اشعار اپنے پڑھنے کے لیے ضرور حرکات و انداز کے طالب ہیں ۔ کلام میں ڈرامائی عنصر پیدا کرنا میر سوز کی اپنی ایجاد ہے ان کے ہاں باقاعدہ لہجے کا اتار چڑھاؤ ، سوال و جواب ، اقرار و انکار کا انداز پایا جاتا ہے۔ ان کے اشعار اگر صوتی اثرات کو ملحوظ رکھ کر پڑھے جائیں تو براہ راست گفتگو کا مزا ملتا ہے اور اگر اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو شعر کو صحیح طور سے سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ میر سوز کے علاوہ یہ مکالماتی انداز اور تمثیلی کیفیت کسی دوسرے شاعر کے ہاں موجود نہیں ہے کلام سوز سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۱۔ مندرجہ ذیل شعر کی آپ اپنے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے خود تشریح کر سکتے ہیں۔

دل اس لب شیریں سے جو ناکام رہے گا
تو خاک پہ خاک بھی آرام رہے گا

۲۔ پہلا مصرع طنزیہ اور دوسرا سوالیہ انداز میں پڑھیے:

کہتا نہ تھا میں اے دل اس کام سے تو باز آ
دیکھا مزا نہ تو نے اے یار عاشقی کا

۳۔ پہلا مصرع یاس و مایوسی دوسرے مصرع کو پشیمانی اور اندیشے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ادا کیجیے:

اگر میں جانتا ، ہے عشق میں دھڑکا جدائی کا
تو جیتے جی نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا

۴۔ ذرا اس شعر میں تجاہل عارفانہ کی آمیزش اور طنز و طعن کی شدت کا اندازہ لگائیے:

جب تک کہ میرے تن میں اے جان دم رہے گا
تیرا اسی طرح سے مجھ پر کرم رہے گا

۵۔ ان اشعار کو سوالیہ انداز میں پڑھیے :

پہلے کہتے تھے کہ ہاں ہے سوز اچھا آشنا
اب لگے کہنے کہ کیسا سوز کس کا آشنا

---

حق خدمت میں مرے وعدہ کرو ہو قتل کا
تم سے یہ ہی کچھ تو ہو گا اس سوا کیا ہووے گا

۶۔ ناصح نصیحت سے اسی وقت باز آتا ہے جب اس کی اچھی طرح خبر لی جائے کچھ غصہ ، کچھ حقارت اور کچھ ڈھٹائی کے انداز میں یہ شعر سنا دیجیے:

ناصحا بک بک نہ کر جا بھی کہیں ہو دال فع
لے ، گیا تھا اس کے گھر ، ڈر ہے ترا؟ ہاں ہاں گیا

۷۔ یہ تو تھی لہجے سے ادائیگی اب ذرا تفصیل نگاری کے دوسرے انداز ملاحظہ ہوں۔ محبوب شوخ ہے ، دل کا چور ہے ، اور اس پر سینہ زور بھی۔ سوز جب اس سے دل کی واپسی کا تقاضا کرتے ہیں تو محبوب کی حرکات کا مشاہدہ کیجیے:

چوری اور سرزنگی لا دل پھیر دے سر ہلاتا ہے؟ نہیں تو نے لیا
ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے مت بغل میں پیس اسے لو پس گیا

۸۔ یہ شعر صوتی نشیب و فراز کے ساتھ جسمانی حرکات سے ادا کریں تو کتنے بولتے ہوئے ہیں۔

دور سے تیغہ دکھا کر کیوں تو بیٹھا ہے پرے　　میں ترے قربان، سر حاضر ہے، لے جم جم لگا

منہ بنا میری طرف، آئینے کا بوسہ لیا　　واہ واہ اچھی طرح سے روز ڈھکاتے ہو تم

۶۔ ادا بندی:

یہی وہ صفات ہیں جن کے باعث میر حسن (۱۲۶) ان کو اپنے زمانے کے تمام ادا بند شاعروں میں ممتاز قرار دیتے ہیں۔ جیسا لکھنوی (۱۲۷) ادا بندی میں کامل مہارت، علی ابراہیم (۱۲۸) ادا بندی و انداز میں طبع رسا اور یکتا (۱۲۹) ادا بند بے نظیر لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میر سوز عشق مجازی کی گذر گاہوں سے واقف نہیں ہیں نہ ان کو اس سے کوئی سابقہ پڑا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ زندہ دل انسان تھے انھوں نے عشقیہ مضامین کو ایک نیا رنگ دیا انھوں نے ایک اچکا محبوب تخلیق کیا۔ اردو شاعری میں اس قسم کا محبوب ایک نیا تجربہ ہے۔ سوز اپنی خوش مزاجی کے ذریعے اپنے اس ٹوکے محبوب سے الجھتے رہتے ہیں۔ شوخی ظرافت اور مزاح کی چاشنی ان کے مضامین کو اور پر کشش بنا دیتی ہے۔ اردو شاعری میں طنز اور مزاح شوخی اور لطافت کو رواج دینے والے میر سوز پہلے شاعر ہیں۔ غزل سے گریز کر کے غزل کی فطری متانت اور سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے سوز نے طریفانہ اسلوب کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ سوز سے پہلے اور ان کے معاصروں کے ہاں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ متاخرین بھی اس طرز سخن کو نبھانے پر قادر نہ ہو سکے عشقیہ مضامین میں شوخی اور ظرافت کا امتزاج صرف غالب کے ہاں ہی ملتا ہے۔ سوز جس طرح محبوب کا مذاق اڑا کر اور دق کر کے تسکین محسوس کرتے ہیں ویسی ہی لذت غالب کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ فرق صرف طرز ادا اور زبان کا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میر سوز کے تقریباً چالیس سال کے بعد غالب نے غزل میں اس زندہ دلی کا مظاہرہ کیا جس کی ابتدا میر سوز نے کی۔ چالیس پچاس سال میں زبان میں مزید وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ غالب نے ترقی یافتہ زبان میں زیادہ پختگی کا معیار قائم کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میر سوز کی جس سن (۱۷۹۸ء) میں وفات ہوئی اسی سال غالب پیدا ہوئے۔ میر سوز کی خالی جگہ کو قدرت نے غالب کی پیدائش سے پر کیا اور غالب نے میر سوز کے اس خاص رنگ کو نئی شان سے اجاگر کیا۔

---

۷۔ خارجیت:

دہلوی شاعری کی نمایاں خصوصیت اس کی داخلیت ہے۔ واردات قلبی کا اظہار جس

جذبے اور خلوص کے ساتھ دہلوی شعراء نے کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ دبستان لکھنؤ کی بنیاد دہلوی شعراء کے ہاتھوں ہی پڑی چناں چہ دبستان لکھنؤ کے ابتدائی دور میں یہاں بھی داخلیت نظر آتی ہے آگے چل کر جیسے جیسے سماجی اور معاشرتی تبدیلیاں ہوئیں اسی طرح ادبی اقدار میں بھی تغیر رونما ہوا۔ اور دبستان لکھنؤ کی نمایاں خصوصیت خارجیت قرار پا گئی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سودا اور میر کی حیات تک لکھنؤ میں خارجیت کو رواج نہیں ہوا لیکن یہ ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ دہلوی شعراء میں سوز پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں داخلی کیفیات کے ساتھ خارجی اثرات بھی ملتے ہیں جس طرح وہ محبوب کی محبت کے غم میں گھلنے کی بجائے اس کی ذات سے دل چسپی لیتے ہیں اسی طرح اس کے خدوخال میں کشش محسوس کرنے کی بجائے ان اشیاء پر نظر رکھتے ہیں جن سے افزائش حسن ہوتی ہے۔ مہندی، گوشوارہ، چولی، زیر جامہ، مسی، سرخی، پان وغیرہ ان کے کلام میں جا بجا محبوب کے حسن کو دو بالا کرتے نظر آتے ہیں۔

شفق اس طرح آسماں پر نہ پھیلے — جو دیکھے کہیں رنگ تیری حنا کا

بوسہ رخسار کا وعدہ کیا کس سے وفا — کان کا موتی تلک تیرا لٹکتا ہی رہا

منہ سے لگا ہے کاجل مسی گلے سے چپٹی — وہ کون چلبلی تھی جس پاس سوکے آیا

کس نے چولی یہ تیری مسکائی — ہائے یہ زیر جامہ کس نے سیا

ہونٹوں پر تو لگا ہے کاجل — کس کی آنکھوں نے تیرا بوسہ لیا

مسی پر سرخی پاں دیکھ میری عقل پھولی ہے — کہ ہے خورشید تاباں جس پہ ایسی شام پھولی ہے

مسی پہ سرخی پان جب جھمک دکھاتی ہے — حیا سے برق بھی منہ ابر میں چھپاتی ہے

کبھی کالی گھٹا میں جیسے بجلی کوندھ جاتی ہے — چمک جاتی ہے مسی میں ترے دانتوں کی براتی

برھمن کیا شیخ جو دیکھے تو سجدے میں جھکے — قہر ہیں اے شوخ الٰہی پنیاں محرابیاں

کلائی ہاتھ کی مڑتی ہے انگڑائی میں جو اس کی
کسی نے اس طرح کی شاخ گل میں کب لچک دیکھی

## ۸۔ نسوانیت:

مغل حکومت کے دوران ایک ایسا معاشرہ پروان چڑھا جو اندرون ملک اور بیرون ملک کی صدہا سال کی روایات پر مشتمل تھا۔ تہذیبی، تمدنی، مذہبی، سیاسی، معاشرتی، سماجی اور اقتصادی عناصر پر مشتمل ایک مرکب نظام زندگی وجود میں آیا جس میں برصغیر کے ہر علاقے، ہر طبقے، ہر گروہ اور ہر قوم کا اثر و نفوذ تھا اس کو بجا طور پر مغل تہذیب کہا جاتا ہے۔ اردو ادب کی نشوونما اس معاشرے میں ہوئی، اس لیے اس ادب میں ان تمام عناصر کا موجود ہونا قدرتی امر ہے۔ اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ قلعۂ معلّیٰ کی زبان کہلاتی تھی۔ اس شرف کے باعث اس کو اردوے معلیٰ کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ قلعۂ معلّیٰ کی روایات اور رسوم کے اثرات براہ راست اردو زبان پر بھی پڑے، بالخصوص محل سراؤں کے اندر خواتین کے معاشرے کی جھلکیاں اردو زبان میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ یہ فخر اور امتیاز شاید صرف اردو کو حاصل ہے کہ اس میں مردوں کی زبان الگ ہے اور عورتوں کی جدا۔ روزمرہ، محاورہ، اصطلاحات، اشارے اور کنائے عورتوں کے اپنے وضع کیے ہوئے ہیں اور ان کو وہی مرد سمجھ سکتا ہے جس نے ان کا بغور مطالعہ کیا ہو اور ان کے بارے میں پوری آگاہی رکھتا ہو عورتوں کی زبان بڑی دل کش، اور پُر معنی ہے اس میں بڑی نزاکت، لوچ اور مٹھاس ہے۔ میر سوز نے پہلی بار اس طرف توجہ کی کہ خواتین کی زبان کو استعمال کیا جائے۔ ممکن ہے اس کا محرّک ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت ہو لیکن ان کے اس اقدام نے اردو ادب کو ایک نئی روشنی سے روشناس کیا، اسی لیے یکتا (۱۳۰) نے بہت خوب کہا ہے کہ اگر ادا بندی، صفائی میں کوئی ان کی پیروی کرتا ہے، اس کا کلام عورتوں، مُخنّثوں اور بازاری لوگوں سے مل جاتا ہے ان کا یہ طریقہ انھی پر ختم ہوگیا۔ گارسین دتاسی (۱۳۱) ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے قول کے مطابق لکھتے ہیں کہ سوز اور فغاں دونوں نے ایک ایسی بولی میں کام یابی کے ساتھ اشعار لکھے ہیں جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے اور جس کا استعمال ہندوؤں کی رائے میں مردوں کے لیے مناسب نہیں۔ معلوم نہیں گلکرائسٹ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ فغاں نے بھی عورتوں کی بولی کو اپنے کلام میں برتا ہے۔ کیوں کہ فغاں کے ہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی البتہ سوز کے ہاں اس چیز کا تجربہ ملتا ہے۔ اور جو چیز دبستان لکھنؤ کی اپنی ایجاد کہلاتی ہے وہ حقیقت میں میر سوز کی گُل افشانی ہے جو آگے چل کر دبستان لکھنؤ کی اہم صفت یعنی خارجی شاعری کا اہم حصّہ بن گئی۔ دراصل لکھنؤ کے عیش کوشانہ ماحول میں شاعروں نے روح کی بجائے جسم کو اہمیت دی

ارضی حسن کی طلب نے جمالیاتی حسن کی تسکین کے لیے مُتعلّقاتِ حسن کا ذکر بھی ذوق و شوق سے کیا۔ اس جذبے کے باعث عورتوں کی زبان میں بھی دل چسپی لی گئی اور شاعروں نے عورتوں کے محاورے، تکیہ کلام، کنائے اور استعارے اپنے کلام میں ماحول کے عام رجحان کو دیکھتے ہوئے باندھے۔ لیکن اس ایجاد کا سہرا دبستانِ دہلی کے اہم رکن میر سوز ہی کے سر ہے۔ انھوں نے پہلی بار غزل میں عورتوں کی زبان کو رواج دیا۔ میر سوز کی زندہ دلی اور بذلہ سنجی نے ایک اچکا محبوب تخلیق کیا اور پھر اس کی زبان سے بہت پُر لطف طریقوں سے عورتوں کی زبان کو پیش کیا۔ اور کہیں پر خود بھی وہی زبان نہایت صفائی سے بول گئے ہیں۔ آیئے ذرا عورتوں کی زبان کا درست اور بر محل استعمال سوز کے اشعار سے سیکھیں:

طفل کہیے کس طرح سے اشک کو ۔۔۔ یہ تو "گھر کھویا" "بڑا" "طوفان" ہے
سن کے جینے کی خبر چونک کے بولا ظالم ۔۔۔ کس قدر "سخت" ہے "آخروہ" "موا میر" "بہ سوز"
لگا کہنے کہ مت کر "چونچلہ" سوز ۔۔۔ یہ سب ہیں گالیاں کھانے کی باتیں
نہ الفت ہے نہ شفقت ہے یہی ہر دم کا "نگتورا" ۔۔۔ پر اس پر یہ "حکومت" ہے اسے کہتے ہیں کیا "زور"
گھور کر کہتا ہے کیا "اے لو غضب" ۔۔۔ یہ "بڑھاپے پیٹا" "نکلا من چلا"
چل ترے ہاتھوں کو میں "صدقے کروں" ۔۔۔ اپنی قینچی سے ترا کانوں گلا
یار آوے گا تحمل کر ذرا تو سانس لے ۔۔۔ کیا "بلا مارے" تجھے اب سوز اتنا اضطراب
ہمیں کہتے کیوں جن "لچو رجاؤ" ۔۔۔ جو ہم پاس دیکھو تو اس کو "چبڑنا"
سوز اس جینے سے مجھ کو موت آوے تو بھلا ۔۔۔ ہر گھڑی کا خوش نہیں آتا ہے "نگتورا" مجھے
جو روتا ہوں تو آنسو پونچھ کر کہتا ہے مت رو تو ۔۔۔ ترا دل پاس میرے ہے تو کیوں جی کڑوا کرتا ہے
ہم نہ کہتے تجھے عاشقی مت کر ۔۔۔ اب پڑے لوٹتے ہو "دریا وسے"
مجھ کو بتلا دو "او ادا مارو" ۔۔۔ یہ بت خوش لقا کہاں کا ہے
دختر رز کو جو کچھ میں نے کہا مان گئی ۔۔۔ جب میں چھیڑا تو کہا "اوئی مری جان گئی"
میں کہا دل میں درد ہے میرے ۔۔۔ سن کے کہنے لگا خدا نہ کرے
پھر جو کچھ دل میں آگیا تو کہا ۔۔۔ مجھ کو "چیٹے" "اگر" دوا نہ کرے

آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے اے میں اس کی ہر آن کے صدقے

میر سوز کی اس جدّت طرازی کو بہت مقبولیت ہوئی۔ لکھنؤ کے نو عمر شاعروں نے اس رنگ کو اپنایا۔ ذکا (۱۳۲) کہتے ہیں کہ "نئے شاعر آپ سے شرفِ تلمّذ رکھتے ہیں اور آپ کی اصلاح سے نام آور ہیں" قاسم (۱۳۳) کا قول ہے کہ " بہت لوگوں نے آپ کی پیروی کرنا چاہی لیکن آپ جیسا انداز پیدا نہ کرسکے"۔ یکتا (۱۳۴) نے لکھا ہے کہ "انھوں نے ایسی نفیس طرز ایجاد کی ہے کہ اس کی اتّباع بہت دشوار ہے۔ اگر کوئی پختگی اور متانت میں ان کی پیروی کرتا ہے تو میر و مرزا کی طرز پر مشتبہ ہوجاتی ہے اور اگر ادا بندی اور صفائی کو اپناتا ہے تو اس کا طرز سخن عورتوں، مُخنّثوں اور بازاری لوگوں جیسا ہوجاتا ہے۔ غرض ان کا طرز جس کے وہ بانی اور خاتم ہیں انھیں پر ختم ہوگیا۔ ان کے کلام میں ایسا اعتدال اور پختگی ہے کہ اس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔"

یہ خیال بالکل درست ہے کہ جن دو شاعروں نے سوز کی تقلید کرنی چاہی وہ کام یاب نہ ہوسکے، غیر محتاط اور غیر معتدل انداز فکر کے باعث وہ بہت دور جا پڑے۔ انشاء اللہ خاں انشاء اور سعادت یار خاں رنگین نے ان کے رنگ کو اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کی کوشش بار ور نہ ہوسکی۔ جرأت اگرچہ کسی حد تک نبھالے گئے ہیں لیکن پھر بھی ان کے ہاں جسمانی لمس کی ہیجان انگیزی شدید طور پر موجود ہے۔ رنگین اور انشا کی ناکامی نے ریختی کی صنف کو جنم دیا بقول رام بابو سکسینہ (۱۳۵) کہ جو طرز ریختی کے نام سے بعد کو سعادت یار خان رنگین نے ایجاد کیا اس کی ابتداء سوز ہی کے زمانے میں ہوگئی تھی۔" سوز کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غزل اور ہزل کے درمیان نمایاں اور واضح فرق قائم کیا۔ تفنّنِ طبع اور فحش گوئی کا معیار مقرر کر کے متانت اور ابتذال کی بجا طور پر نشاندہی کی۔ ان کے اس قسم کے اشعار پڑھ کر طبیعت میں شگفتگی محسوس ہوتی ہے جب کہ ریختی کے مضامین جنسی احساسات کو برانگیختہ کرتے ہیں جہاں تہذیب، شائستگی، سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ سوز نے صرف الفاظ کے استعمال پر اکتفا کیا جب کہ ان کے مُقلّدین نے مبتذل مضامین کو اپنا موضوع بنایا۔ جس کے باعث یہ صنف رکاکت اور ابتذال کا بدنما نشان بن گئی۔ لیکن میر سوز کے اس مخصوص رنگ پر نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ (۱۳۶) نے سخت رائے کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کا کلام جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ میر سوز کے کلام پر تنقید کا یہ انداز تنقیص کی صورت میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ ادبی حلقوں کو شیفتہ کی اس رائے نے چونکا دیا اور قطب الدین باطن نے اس کے جواب میں ایک طول طویل بحث چھیڑی، اگرچہ اس میں

عبارت آرائی زیادہ ہے اور کچھ ذاتی اختلاف کی بو بھی آتی ہے تاہم قطب الدین کی یہ رائے اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ انھوں نے سیاق و سباق کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور شیفتہ کی تنقید کو رد کرتے ہوئے تفصیل سے اپنے خیالات پیش کیے ہیں اس وقت تنقید کا یہ معیار نہ تھا جو موجودہ زمانے میں ہے۔ تاہم قطب الدین نے سوز کے کلام کی ان خصوصیات کو بطور خاص پیش کیا ہے جن کے باعث اردو غزل گو شعراء میں ان کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ شیفتہ نے کلامِ سوز کا ایک رخ دیکھ کر ہی اس کو رد کر دیا انھوں نے دوسرے رخ کا جائزہ نہیں لیا ۔ حالاں کہ وہ صفات نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں دوسرے یہ کہ جس اسلوب کو وہ جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں اُس کے محرکات کا جائزہ نہیں لیا ہے اور یہ بھی فراموش کر دیا ہے کہ یہ لغزش صرف سوز ہی سے نہیں ہوئی ہے اس میں دوسرے اساتذہ بھی ملوث ہیں۔ قطب الدین (۱۳۰) کی رائے ہم یہاں پر من و عن نقل کرتے ہیں:

" سوز تخلص، محمدؐ میر نام، طورالشعراء، ملک مالوفہ لکھنؤ، تیر اندازی کا گوشہ خاطر میں، کسب کامل تحریر اقسام خطوط میں نازک ان کے انامل۔ اے منصفان زماں اور سیر کنندگان گلشن بے خار و گلستان بے خزاں منصف ہو کر انصاف کرنا اور دیکھنا عاصی کو سب کی حضوری میں شکایت ہے " و کلامش از جادۂ مستقیمہ برکراں الخ، جائے انصاف اور غور ہے۔ میر سوز صاحب کے ساتھ ان کا یہ طور ہے ۔ جو بظاہر حال ان کا مانند باطن پاک ضمیران صاف اور باطن آلائش حسد و بغض سے پاک، ان سے بخلاف ان کی شراب سخن وہ تیزاب ہے کہ مذہب شعر میں روا جس سے سامع مست و مدہوش۔ کلام مانند صراط المستقیم، مستحکم ہم کو اس بات کا حد سے زیادہ غم کہ صاحب گلشن بے خار نے ان سے بھی گستاخی کی جو ایسی بے ہودہ عبارت لکھی اگرچہ جوش طبع یہ کہتا ہے کہ کچھ صفت میاں شیفتہ صاحب کی لکھوں اور بہ تقریب شائستہ اس عبارت کو زیب دوں مگر بہ خوف خدا باز رہا، اس مشورے میں دل بہت گداز رہا صد حیف کہ یار ان ہم جلیس نزدیکی مونس و انیس وہ کون مرزا اسد صاحب وغیرہ، مخصوص مومن خاں جن کو باوجود متانت، مرتبہ شناسی و رتبہ دانی کہاں اور یہ بھی ایک طرح کی چالاکی ہے ۔ ان کے دلوں میں ایسی بے باکی ہے ۔ اپنے نزدیک دور بیں، ہوشیاری کی، پیش خود عیاری کے میدان خالی پایا ۔ کوئی پھرا ہوا مقابلے کو بات نہ آیا، یہ سمجھے زمانہ بہرا ہے۔ ایک ایک آفت دھرا ہے سو دیکھنے انھوں نے اپنے تیئں بلند کھینچا بڑے بول کا سر نیچا دوڑ چلے تو آخر گر پڑے۔ کیا ہوا جو میاں آشفتہ کو بے وقوف بنایا۔ خود کہا چاہتے تھے پر ان سے بُرا کہلوایا۔ ایسی

چالاکیاں ہم کو بھی یاد ہیں۔ ایسوں کے ہم بھی استاد ہیں۔ عاقل کو نکتہ کتاب ہے غافل نادان لاجواب ہے۔ آمدم بہ مطلب، کلام طور الشعرا میں وہ گداختگی ہے کہ سنگ دلوں کو موم کرتا ہے۔ وحشیان صحرائی کو رام کرتا ہے، موسیٰ مضمون وادیِ کاغذ میں ایمن ہو بھناے، قلم سے ساحران باطل فن کو بناتا ہے۔ غلام سخن، دم جان سوز سے باسوز ہے اور بے ساز ہے۔ نے باوصف بے مغزی سوز دل پیدا کرتی ہے۔ ایسی آواز ہے سنا ہے کہ پہلے میر تخلص تھا۔ سبب تبدیلی تخلص معلوم نہ ہوا۔ ان کے سوز دلی نے خس و خاشاک دشمن صحرا سا کاغذ میں جلایا، کلام سوز عدو کو آتا حسرت میں جلایا۔ غیر جو پاساز ان سے جلتے ہیں ان کی یوں دھویں اڑاتا ہے۔

محمد یحییٰ تنہا (۱۳۸) شیفتہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " شیفتہ تو آپ کی شاعری کو " از جادۂ مستقیمہ برکران " سمجھتے ہیں لیکن ہمارا یہ خیال نہیں ہے یحییٰ کہتے ہیں کہ جہاں تک رکاکت کا تعلق ہے اس سے تو کسی اردو شاعر کا کلام پاک نظر نہیں آتا اور اگر شاذ و نادر کسی کا کلام اس سے خالی بھی ہو۔ تو وہ جمِ غفیر کے مقابلے میں کیا پیش کیا جاسکتا ہے بعض بعض شعراء نے تو اردو شاعری کی خوب ہی مٹی خراب کی ہے لیکن ان کی نسبت شیفتہ نے ایسی سخت رائے کا اظہار نہیں کیا ہے اس لیے ہم کو صاحب گلشن بے خار کی رائے سے اختلاف ہے۔ سچ پوچھیے تو شاعری کی جادۂ مستقیم سے ہمارے اکثر شعراء علیحدہ ہیں۔ صرف چند بزرگ ایسے ہیں جو بہ لحاظ شاعری قابل تعریف ہیں اگرچہ ان کا کلام بھی رطب و یابس سے پر ہے "۔

اصل بات یہ ہے کہ میر سوز نے اردو غزل میں ایک تو زبان بہت سادہ اختیار کی ہے دوسرے مضامین بھی اوسط درجے کے باندھے ہیں اگر مضامین میں کوئی گہرائی اور گیرائی بھی ہے تو سادہ اسلوب کے باعث اس میں عمومیت محسوس ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سوز کو مسائل عشق و عاشقی کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ انھوں نے ان مضامین کو باندھنے میں کوئی کاوش و کاہش نہیں کی لہذا ان میں ایک قسم کا سوقیانہ تاثر پایا جاتا ہے۔ یہ بات الفاظ کے استعمال میں بھی ہے اور مضامین کے معاملے میں بھی ہے۔ محبوب کا تصور ان کے ہاں بہت پراگندہ ہے۔ اگر وہ بازاری محبوب ہے تو، اور اگر طفل بدخو ہے تو، دونوں صورتوں میں اس کی حرکات و سکنات ناشائستہ ہیں اور بڑی حد تک غیر مہذب معلوم ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وجہ سے ان کے کلام میں رکاکت نظر آتی ہو لیکن اس کی کچھ وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ دور عام طور پر ذہنی اور اخلاقی پستی کا دور تھا۔ صنفِ لطیف حرم سراؤں کی چہار دیواری میں

محبوس تھی اس کے برعکس شاہدانِ بازاری سرِعام دعوت نظّارہ دے رہے تھے اور ان کا معاشرے میں گہرا اثر و نفوذ تھا۔ لے دے کر نگاہ اگر پڑتی تھی تو بازاری عورتوں پر جہاں سوائے بے باکی، شوخی اور چنچل پن کے اور کچھ نہ تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ محمّد شاہی دور میں مُخنّثوں اور ہیجڑوں کی پوری قوم تیار ہوئی۔ ان عورت نما مردوں نے معاشرتی زندگی میں سخت اختلال برپا کیا۔ یہ منہ پھٹ اور بے باک بازاری لوگ بناؤ سنگار کر کے دعوتِ نظارہ دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ ان کی موجودگی کے احساس سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ ایک کلّیہ ہے کہ اخلاقی انحطاط کا قومی خصائص پر برا اثر پڑتا ہے ان مُخنّثوں کی دیکھا دیکھی کم عمر لڑکے ذوق آرائش و شوق زیبائش میں بدمست رہتے تھے۔ گویا سفلہ جذبات اور احساسات کو برانگیختہ ہونے کے تمام مواقع موجود تھے۔ جب معاشرے میں زہریلے جراثیم موجود ہوں تو مہلک اثرات لازمی طور پر ظہور میں آتے ہیں چنانچہ قطع نظر اس کے کہ شاعر اس راہ کا رہ نورد ہے بھی یا نہیں اس کے فن میں اس کا عکس ضرور نظر آئے گا اور بطور روایت اس کا نبھاہنا وقت کی اہم ضرورت سمجھا جائے گا۔ سوز کے ہاں ہم کو اس قسم کے جو اشعار ملتے ہیں وہ ان ہی رجحانات کے باعث ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سوز سپاہی پیشہ تھے ان کے مزاج میں آخیر عمر تک اس پیشے کی زندہ دلی، شوخی اور بانکپن قائم رہا اور اس کا اثر ان کی شاعری میں بھی موجود ہے۔ انھوں نے عشقیہ مضامین کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے اور محبوب کا جو تصور ان کے ہاں ملتا ہے وہ محض رسمی ہے اور دلبستگی کے لیے ہے۔

شیفتہ کا انداز فکر دوسرے بالغ نظر علمائے ادب سے مختلف تھا۔ وہ عربی، فارسی کے ماہر تھے، ان کے ہاں جاگیر دارانہ وقار اور بردباری تھی، وہ طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے وہ ایسی زبان کے خوگر تھے جس میں عالمانہ شان موجود ہو اور ان کو وہ مضامین مرغوب تھے جن میں عمق ہو لہذا ان کا مزاج سوز کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ اسی وجہ سے انھوں نے نظیر اکبر آبادی کے لیے بھی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ سوز نے اردو غزل کو عام بول چال کے ڈھنگ پر ترتیب دیا۔ انھوں نے سادگی اور صفائی کو اپنا شعار بنایا اس وقت تک کسی شاعر نے ایسا اسلوب پیش نہیں کیا تھا اس لیے مسلمہ آداب کے برعکس سوز کے اس انداز کو اس ماحول میں اجنبی نظروں سے دیکھا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہاں اصلیت پوری طرح جلوہ گر ہے آزاد (۱۳۹) نے بجا طور پر کہا ہے کہ " ان کی طبع موزوں کے آئینے کو جس طرح

فصاحت نے صفائی سے جلا کی تھی ۔ اسی طرح ظرافت اور خوش طبعی نے اس میں جوہر پیدا کیا تھا ۔ ساتھ اس کے جس قدر نیکی و نیک ذاتی نے عزّت دی تھی اس سے زیادہ وسعت اخلاق اور شیریں کلامی نے ہر دل عزیز کیا تھا اور خاکساری نے سب جوہروں کو زیادہ چمکایا تھا ۔ آزادی کے ساتھ وضع داری بھی ضروری تھی ۔ جس کا نتیجہ تھا کہ باوجود مفلسی کے ہمیشہ مسند عزّت پر صاحب تمکین اور امراء و رؤساء کے پہلو نشین رہے " ۔ آزاد مزید لکھتے ہیں :

" سوز مرحوم کی زبان عجب میٹھی زبان ہے اور حقیقت میں غزل کی جان ہے چناں چہ غزلیں خود ہی کہے دیتی ہیں ان کی انشاء پردازی کا حسن تکلّف اور صنّاعی مصنوعی سے بالکل پاک ہے۔اس خوشنمائی کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہری بھری ٹہنی پر کٹورا سا دھرا ہے اور سرسبز پتیوں میں اپنا اصلی جوبن دکھا رہا ہے جن اہل نظر کو خدا نے نظر باز آنکھیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک حسن خدا داد کے سامنے ہزاروں بناوٹ کے بناؤ سنگھار قربان ہوا کرتے ہیں، البتہ غزل میں دو تین شعر کے بعد ایک آدھ پرانا لفظ ضرور کھٹک جاتا ہے۔ معشوق کو بجائے جاناں کے فقط جان یا میاں جان کہہ کر خطاب کرنا ان کا خاص محاورہ ہے۔ مجالس رنگین کی بعض مجلسوں سے اور ہمارے عہد سے پہلے کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام صفائی محاورہ اور لطف زبان کے باب میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے ۔ ان کے شعر ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی چاہنے والا اپنے چہیتے عزیز سے باتیں کر رہا ہو ۔ وہ اپنی محبّت کی باتوں کو اس طرح باندھتے تھے کہ شعر کی موزونیت کے لیے لفظوں کا آگے پیچھے کرنا بھی گوارا نہ سمجھتے تھے ۔ میر تقی میر کہیں کہیں ان کے قریب آجاتے تھے پھر بھی بہت فرق ہے ۔ وہ بھی محاورہ خوب باندھتے تھے مگر فارسی کو نباہتے تھے اور مضامین بلند لاتے تھے ۔ سودا بہت دور ہیں کیوں کہ مضامین کو تشبیہ استعارے کے رنگ میں غوطے دے کر محاورے میں ترکیب دیتے تھے اور اپنے زور شاعری سے لفظوں کو پس و پیش کر کے اس بندوبست کے ساتھ جڑتے تھے کہ لطف اس کا دیکھنے ہی سے معلوم ہوتا ہے ۔

میر سوز جیسے سیدھے سیدھے مضمون باندھتے تھے ویسے ہی آسان آسان طرحیں بھی لیتے تھے بلکہ اکثر ردیف چھوڑ کر قافیہ ہی پر اکتفا کرتے تھے ان کے شعر کا قوام فقط محاورے کی چاشنی پر ہے ۔ اضافت، تشبیہ، استعارے ، فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت کم ہیں ۔ ان لحاظوں سے انھیں گویا اردو غزل کا شیخ سعدی کہنا چاہیے اگر ان کے انداز پر زبان رہتی یعنی فارسی کے رنگین رنگین خیال اس میں داخل نہ ہوتے اور قوّتِ بیان کا مادّہ اس میں زیادہ ہوتا

تو آج ہمیں اس قدر دشواری نہ ہوتی۔ اب دُہری مشکلیں ہیں اوّل یہ کہ رنگین استعارات اور مبالغے کے خیالات گویا مثل تکیہ کلام کے زبانوں پر چڑھ گئے ہیں یہ عادت چھڑانی چاہیے "۔

سکسینہ (۱۴۰) سوز کے کلام پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں

انداز کلام نہایت صاف سادہ اور بے تکلف ، زبان میٹھی غزل کے واسطے نہایت موزوں ہے ۔ لطف زبان ، صفائی محاورہ اور بے ساختہ پن میں ان کا کلام اپنا آپ نظیر ہے ۔ تکلّف و آورد ، فضول مبالغے ، تشبیہات اور استعاروں سے پاک و صاف لفظی صنائع بدائع بھی بہت کم پائے جاتے ہیں ۔ ان کا شاہد کلام حسن طبعی سے آراستہ کسی مصنوعی زیب و زینت کا محتاج نہیں ۔ سادگی اور صفائی میں میر تقی میر البتہ ان کے مقابل ہیں مگر سودا بہت پیچھے ہیں مگر میر صاحب کے یہاں لطف زبان کے ساتھ جو لطف مضامین اور جذبات کا ہے وہ سوز کے یہاں بہت کم ہے ۔ ان کے کلام میں میر اور سودا کی طرح فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کی بھی کثرت نہیں ۔ سیدھے سادھے ہندی لفظ بے ساختگی سے باندھتے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ باتیں کر رہے ہیں شعر کو اتنا ہلکا پھلکا کر دیتے ہیں کہ اکثر اس پر ردیف کا بوجھ نہیں ڈالتے ۔ اس سادگی کی وجہ سے ایک دور پہلے کے شاعر معلوم ہوتے ہیں زبان کی اصلاح یا توسیع کی کوئی خدمت ان سے سر انجام نہ ہو سکی بلکہ سچ پوچھو تو غزل کے سوا اور کچھ نہیں کہا ۔

سوز کا مرتبہ اردو شاعری میں بہت بلند ہے گو وہ میر و سودا کے مقابل نہیں سمجھے جا سکتے مگر پھر بھی غزل گوئی کے استاد اور صفائی کلام،محاورہ بندی اور سوز و گداز کے بادشاہ تھے کلام نہایت صاف سلیس پر اثر اور تکلف و بناوٹ سے بالکل خالی ہوتا ہے "۔

محمد یحییٰ تنہا (۱۴۱) کی رائے ہے :

" زبان کی سادگی اور صفائی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قصیدہ آپ سے نہ کہا گیا ہوگا البتہ غزلیں آپ نے اچھی خاصی کہی ہیں ۔ اگرچہ ان میں بھی نئے مضامین نہیں ہیں،تشبیہات اور استعارات کو بھی ان میں زیادہ دخل نہیں مگر جو کچھ کہتے ہیں صاف صاف اور بے تکلف کہتے ہیں زبان بہت سادہ ہے حتیٰ کہ بعض جگہ سادگی سوقیانہ انداز تک پہنچ کر رکیک ہو گئی ہے آپ کے دیوان میں تخیّل کی بلندی کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں لیکن روز مرّہ اور معمولی خیالات جو عشق مجازی کے لوازمات ہیں دل چسپی کی شان کے ساتھ ساتھ موجود ہیں "۔

## ۹۔ سادگی ، صفائی :

سوز ، دہلی میں پیدا ہوئے اور دہلی کے اہل کمال اور زبان دانوں میں عمر کا بڑا حصہ

صرف کیا ، انھیں ہر طرح کی صحبتوں میں شریک ہونے کا موقع ملا لشکر کی ملازمت کی وجہ سے انھیں عام طبقوں کے لوگوں سے بھی واسطے پڑا ، اور شاعری کے فن سے شوق کے باعث اہل ہنر و اہل علم کی صحبتیں بھی یسر آئیں ، امراء و رؤساء ، کی محفلوں میں بطور مصاحب کے بھی شریک رہے اس طرح گویا انھیں ہر مکتبۂ فکر کے امراء سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ۔ اور ان کے خیالات ، اندازِ فکر ، زبان ، گفتگو ، عام بول چال ، اصطلاحی الفاظ ، روز مرّہ ، محاورے کنایوں اور استعاروں سے پوری واقفیت اور زبان پر کامل عبور اور دسترس حاصل تھا ۔ وہ خود سادہ مزاج ، نیک طبیعت تھے نام و نمائش اور تصنع و بناوٹ ان میں نام کو بھی نہ تھی مزاج کی یہی صفت ان کے کلام میں پوری طرح جلوہ گر ہے پہلی اہم صفت ان کی سادگی کی ہے جس کا تذکرہ نقّادوں نے خاص طور پر کیا ہے۔ سرور (۱۴۲) کا قول ہے کہ شعر نزاکت و فصاحت سے کہتے ہیں ، سعادت یار خاں ناصر (۱۴۳) کی رائے ہے کہ " طرز اس کے سخن کی سہل ممتنع " ۔

سوز کے ہاں کیا باعتبار معنی اور کیا باعتبار الفاظ سادگی اور صفائی شاعری کی بنیاد ہے ۔ اگرچہ حضرت مظہر جان جاناں نے اردو غزل کی نوک پلک درست کرنے اور اس میں حسن و نغمگی پیدا کرنے کے لیے نوجوان شاعروں کو ترغیب دی تھی کہ ثقیل اور نامانوس ہندی الفاظ کی بجائے فارسی لغات استعمال کریں یا دوسرے الفاظ میں فارسی غزل سے ہم کنار کرنے کی کوشش کی جائے لیکن سوز نے با وصف تمام ایسا نہیں کیا بلکہ فن میں اس زبان سے کام لیا جو انھوں نے ماں کی گود میں سیکھی تھی ۔ نظیر اکبر آبادی اور سوز اس دور کی اہم شخصیتیں ہیں جنھوں نے حتی المقدور فارسی آمیز اردو غزل کو عام فہم اور سادہ رکھنے کی کوشش کی ۔

عناں جس طرف دلربا موڑتا ہے ... صفوں کی صفیں آن میں توڑتا ہے
ادھر دل ہے یارو ادھر عشق اس کا ... نہ یہ چھوڑتا ہے نہ وہ چھوڑتا ہے
سلامت رہ اے خار وادیِ الفت ... کہ دل کے پھپھولے تو ہی پھوڑتا ہے

---

عشق تو میرا کلیجہ کھا گیا ... بس مرے اللہ جی گھبرا گیا
جنبشِ ابرو سے کچھ بتلا گیا ... قتل کا مذکور ہے میں پا گیا
گو نہیں کہتا کہ میں نے دل لیا ... چور نظروں میں تو اس کی پا گیا

ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر  تو تو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر
کیا بغل میں دشمن جاں میں نے پالا تھا تجھے  میری تیری اب نہیں بنتی دلا فریاد کر
نوحواں ہے اپنے حق میں لے تو اوروں کی دعا  خانمان عاشق بیدل نہ تو برباد کر
اے مرے صیاد اب تو بال و پر ہی گھس گئے  کب تلک قیدی رہوں پنجرے میں بس آزاد کر
ظلم و بے رحمی ، تغافل ، اختلاط ناکساں  سب سے اے سوز اب کچھ تو نیا ایجاد کر

---

۱۰۔ محاورہ بندی:

تمام نقادوں نے سوز کے کلام کی سادگی ، صفائی اور بے ساختگی کی تعریف کی ہے ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تحریر اور گفتگو کے فرق کو ختم کیا اور ایسی زبان کا نمونہ پیش کیا جو عام بول چال کے عین مطابق ہے ان کے اشعار میں فطری سادگی پائی جاتی ہے۔ روز مرہ بول چال کا انداز ان کے کلام میں ہر جگہ ملتا ہے ۔ ان کے ہاں محاورہ اور روز مرّہ بڑی چابک دستی سے باندھا گیا ہے ۔ اس خوبی سے حسن کلام میں تو خیر اضافہ ہوتا ہی ہے لیکن زبان اور بیان کے اسالیب کو سمجھنے ، اور محاورہ و روز مرہ کا صحیح استعمال ان کے اشعار سے سیکھا جاسکتا ہے سوز کی اس کوشش کا یہ نتیجہ ہے کہ غزل میں جو غیر فطری تصنّع پیدا ہو رہا تھا اس کا خاتمہ ہوگیا ۔ دل کی بات کو انھوں نے جس سادگی سے بیان کیا ان کے دور کے کسی شاعر کو یہ قدرت حاصل نہ ہوسکی ۔ سادگی اور صفائی کے باعث ان کے کلام میں اثر آفرینی بھی دوسرے شاعروں کی نسبت سے زیادہ ہے ۔ ان کی زبان عام فہم ہونے کی وجہ سے ہر مکتبۂ فکر کے لیے باعث کشش ہے ۔ سوز نے جس بے تکلفی کو غزل میں رائج کیا وہ اس سے پہلے کسی شاعر کے ہاں موجود نہ تھی ۔ انھوں نے جو سوچا وہ کہا ، جیسا دیکھا ویسا بیان کیا اور ان ہی الفاظ میں ادا کیا جن کے وہ عادی تھے۔ انھوں نے ادائے مطلب کے لیے قلم کاری نہیں کی ۔ نہ انھوں نے مضامین میں الجھاؤ پیدا ہونے دیا ۔ وہ جس طرح بات کرتے تھے اسی طرح انھوں نے شعر کہے۔ ہم واضح طور پر ان کے اشعار میں ان کا اپنا مخصوص لہجہ پاتے ہیں۔ ان کی زبان دہلی کی لسانی زبان ہے ان کے اشعار میں محاورہ اور روز مرہ کی کثرت ہے لیکن وہ ناگوار اس وجہ سے معلوم نہیں ہوتی کہ وہ روز مرہ کی عام بول چال کے بموجب ہے ۔ سوز کا کلام اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ آئیے سوز سے روز مرّہ اور محاورہ کا استعمال سیکھیں ۔

۱۔ اپنا سا منہ لے کر جانا ( ناامید ہو کر جانا )

کبھی تو بات کوئی بولو اس دل سوز سے اپنے یوں ہی "جاوے مگر اپنا سا منہ لے کر" ترے کوسے

۲۔ آٹھ آٹھ آنسو رونا ( بہت زیادہ غم زدہ ہو کر رونا )

بھلا ہنستے تو ہو تم میری اس بے ہودہ گوئی پر قسم ہے "آٹھ آٹھ آنسو" سبھوں کو میں رلاؤں گا۔

۳۔ اجارا ہونا (اختیار ہونا)

لیتا ہے ملک دل کو یہ دلربا آسامی اس میں نہیں کسی کا اے دلربا "اجارا"

۴۔ آگ لگنا (گرمی محسوس ہونا اذیت محسوس ہونا)

یارو مت رو رو کے چھڑکو اب مرے منہ پر گلاب "لگ رہی ہے" آگ دل میں ہو رہا ہے جی کباب

۵۔ آگے آنا (دوسرے کے ساتھ برائی کرنے کا خمیازہ بھگتنا)

تو کیوں سوز آتش اس سے ہوا تھا یہ تیرا کیا تیرے آگے ہی آیا۔

۶۔ الو کھلانا (عقل و ہوش زائل کر کے اپنا تابع کر لینا)

بلا دربان کو بولا ابے گھنٹو تو اندھا تھا "کھلایا تھا تجھے کیا تیری جورو نے مگر الّو"

۷۔ آنکھوں میں گھر کرنا ( محبوب بن جانا )

بس منہ کو مت کھلاؤ میاں در گذر کرو میں جانتا ہوں تم کو نہ "آنکھوں میں گھر کرو"

۸۔ آنکھ لگنا ( محبت ہو جانا )

میں جانتا تھا آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا یہ "آنکھ" کیا لگی مرے دل کو بلا لگی

۹۔ آنکھ سے گرانا یا گرنا (بے وقعت ہو جانا)

گو خلق نے آنکھ سے گرایا لیکن تو تو نہ اتار دل سے

کہہ کہہ کے دکھ اپنا میں "گرا آنکھ" سے تیری اتنا نہ ہوا اس کے ذرا چشم بھر آوے

۱۰۔ آنکھیں دکھانا (خفگی کے ساتھ منحرف ہونا)

دیکھتے بول اٹھا کہ لو صاحب آنکھیں دکھلاتے ہیں یہ اب ہم کو

خدا کے واسطے دیکھو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے تلے کر دیدے اپنے ناصح مردود جو دیکھے

۱۱۔ آنکھوں سے حیا اڑنا (بے شرم ہو جانا)

ہمارے رو برو ہنستا ہے تو غیروں سے ہر اک جا میاں کیا اڑ گئی ہے تیری "آنکھوں سے حیا اب تو"

۱۲۔ آنکھیں چُرانا (تغافل کرنا)

جو تو یوں ہی "آنکھیں چُراتا" رہے گا تو حسرت بھرا جان جاتا رہے گا

۱۳۔ ایڑیاں رگڑنا (تڑپنا)

عجائب سیر ہے اب کوچہ قاتل میں سنتے ہو کوئی تو "ایڑیاں رگڑے ہے" کوئی تھر تھراتا ہے

"ب"

۱۴۔ بازار سرد ہونا (اہمیت کم ہو جانا)

یہ آتش مرے دل میں تھی مشتعل کہ "دوزخ کا بازار بھی سرد تھا"

۱۵۔ بات بننا (کام یابی حاصل ہونا)

پھر تو جو "بات بنی" اس کو خدا ہی جانے ہاں مگر سوز ہی بتلائے تو کچھ بتلائے

۱۶۔ بُتا دینا (دھوکا دینا)

روز تم بھاگتے تھے بُتا دے اب کہاں جاؤ گے کہو صاحب

۱۷۔ بلائیں لینا (قربان ہونا)

لے سر سے تا بہ سینہ سینے سے لے قدم تک ہاتھوں سے اپنے "لی ہیں تیری بلائیں" کیا کیا

۱۸۔ بلا لگنا (مصیبت میں گرفتار ہونا)

میں [illegible] تھا آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا یہ آنکھ کیا لگی مرے دل کو "بلا لگی"

۱۹۔ بول بالا ہونا (عروج پانا)

سخندان سرو قامت اور بھی محبوب ہیں یاں تو ولے میرے سہی بالا کا سب میں "بول بالا" ہے

۲۰۔ بھوکا ہونا (خواہش مند ہونا)

میں تو دیدار کا "بھوکا ہوں" فقط اس لگی کو تو بجھا دے یارب

"پ"

۲۱۔ پانی چُوانا (آخری وقت پر امداد کرنا)

سسکتا ہے اکیلا کوئے قاتل میں دلِ بسمل نہ تھا جُز دیدۂ گریاں کوئی "پانی چُوانے" کو

۲۲۔ پاؤں پڑنا (منت کرنا)

حضرتِ غم جان کے پیچھے نہ پڑتے جائیے " پاؤں پڑتا ہوں " قدم رنجہ نہ یاں فرمائیے

۲۳۔ پاؤں چومنا (استقبال کرنا)

مت مرے " پاؤں چوم " تو اے خاک کوے یار بس بس فقیر کو نہ گنہ گار کیجیے

۲۴۔ پنڈ چھوٹنا (نجات پانا)

اس سے کہا کسی نے کہ لے سوز بھی موا کہنے لگا کہ " پنڈ بھی چھوٹا " بھلا ہوا

۲۵۔ پھونکنا (آگاہ کر دینا)

کس نے یہ آکے سوز کو " پھونکی " دیکھو مردہ تڑپ کے پھیر جیا

۲۶۔ پھپھولے پھوڑنا (ناکامی پر جھنجھلانا)

سلامت رہ اے خار وادیِ الفت کہ دل کے " پھپھولے تو ہی پھوڑتا " ہے

۲۷۔ پھولے نہیں سمانا (بہت خوش ہونا)

خدا ہی جانے کہ دیکھی ہیں انکھڑیاں کس کی کہ نرگس آج تو " پھولی نہیں سماتی ہے "

۲۸۔ پہلو بیٹھنا (پاس بیٹھنا)

آ، نہ جا تھوڑی رہی ہے یہ بھی یوں کٹ جائے گی تو گیا تو کون پہلو بیٹھنے پھر آئے گا

۲۹۔ پیسنا (کچل دینا)

ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے مت بغل میں " پیس " اے وہ پس گیا

" ت "

۳۰۔ تلخ کہنا (سخت سست کہنا)

زہر بھی میٹھا ہے اس کے ہاتھ کا جو مجھ کو دے تو مجھے کہتا ہے کیوں اے ناصح بد خواہ تلخ

۳۱۔ تلخ ہونا (تنگ دل ہونا، ناراض ہونا)

گالیوں سے تیری ہم ہوتے نہیں اے ماہ تلخ تجھ کو کیوں لگتی ہے نا انصافی میری آہ تلخ

۳۲۔ تنخواہ کرنا (عنایت کرنا)

بوسہ کی طلب سے تو رہے گا یہی اے دل جب گالیاں دو چار وہ تنخواہ کرے گا

۳۳۔ تھل پیڑا نہ ہونا ( ٹھکانا نہ ہونا )

ہے یہی خو تو او بچہ سن لے　　تیرا دنیا میں تھل نہ پیڑا ہے

" ٹ "

۳۴۔ ٹسوے بہانا ( دکھاوے کا رونا )

رونا جو نہیں آتا تو تیل لگا کڑوا　　آنسو تو نہیں بہتے ٹسوے ہی بہا در ہو

" ج "

۳۵۔ جان کھانا ( پیچھے پڑ جانا )

ناصحو ! دل کس کنے ہے کس کو سمجھاتے ہو تم　　کیوں دوانے ہوگئے ہو جان کیوں کھاتے ہو تم

۳۶۔ جان کے پیچھے پڑنا ( بلاسے جان بن جانا )

حضرت غم " جان کے پیچھے نہ پڑتے " جائیے　　پاؤں پڑتا ہوں قدم رنجہ نہ یاں فرمائیے

۳۷۔ جان سے سیر ہونا

تو اپنی جان سے کیا سیر آیا ہے دل بدخو
کہ جا جا بیٹھتا ہے دم بدم اس شوخ کے پہلو

۳۸۔ جان کڑھانا یا جی کڑھانا ( کسی پر ترس کھانا )

جان من ہر کسی کا جی نہ کڑھاو　　قول تونے سنا نہیں ہمہ اوست

۳۹۔ جان ناک میں آنا ( پریشان ہوجانا )

دل تیرے اضطراب سے ہے جان ناک میں　　اے فتنہ ایک آن تو سینے میں خواب کر

۴۰۔ جگر کباب ہونا ( جلنا ، حسد کرنا )

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا　　بہتوں کا جگر کباب ہوگا

۴۱۔ جوتی جانے ( پروا نہ ہونا )

ناصح کے حق بہ طرف ہے گو پند و وعظ یہ　　اس کی بھی جانے جوتی کہ اس کو لگی نہیں
اس سے کم بخت نے جوں جا کے کہا بول اٹھا　　میری پاپوش سے جلنے دے اگر جلتا ہے

۴۲۔ جھک مارنا ( بے کار کام کرنا ، حماقت کرنا )

تہمت ہے یہ سب سوز پر ملتا ہے کب اوروں سے وہ جھک مارا تیرے روبرو جس نے کہا میں کیا کہوں

رندو کہو جھک جھک کے مئے ناب سلامت کہہ شیخ تو جھک مار کے محراب سلامت

۴۳۔ جھمکا دیکھنا ( شان دیکھنا )

خاک میں مجھ کو پھرانے کو جو پھرتا تھا مدام اب تو جھمکا آن کر دیکھے وہ میری خاک کا

۴۴۔ جی ہے تو جہان ہے ( دم غنیمت ہونا )

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں آپھی اٹھے جہاں سے تو گویا جہاں اٹھا

" چ "

۴۵۔ چٹکیوں میں اڑانا ( سرسری طور پر رخصت کر دینا )

گل کا چٹکارا نہ پوچھو سوچنے کی بات ہے چٹکیوں میں عندلیبوں کو اڑاتی ہے بہار

۴۶۔ چشم بھر آنا ( آنکھوں میں آنسو آنا )

کہہ کہہ کے دکھ اپنے ، میں گرا آنکھ سے تیری اتنا نہ ہوا سن کے ذرا چشم بھر آوے

۴۷۔ چوٹ کرنا ( طنز کرنا )

آنکھوں نے تیری مجھ پر کیسا ستم کیا ہے کرتا ہے چوٹ آخر آہوے آشیانی

۴۸۔ چوری اور سرہنگی ( چوری اور سینہ زوری )

چوری اور سرہنگی، لا دل پھیر دے سر ہلاتا ہے نہیں تونے لیا

۴۹۔ چولھے میں جانا ( خارج از بحث ہونا )

بھلا اور سب باتیں چولھے میں جائیں تم اس سوز سے کیا وفا کر چلے

۵۰۔ چونچ بند کرنا ( خاموش رہنا )

ذرا چونچ اپنی تو کر بند ناصح تجھے جانتا ہوں میں بد خواہ دل سے

۵۱۔ چونچلے کرنا ( ناز و ادا دکھانا )

کوئی ایسی بھی گھڑی ہوگی خداوند کریم وہ کرے چونچلے اور میں اسے بیٹھا دیکھوں

۵۲۔ چھاتی پر سِل ہونا ( وجود ناگوار ہونا )

جلد اٹھا نہ ترے گھر سے رقیب ہوکے چھاتی پہ مری سِل ہی گیا

۵۳۔ چھاتی پر مونگ دلنا ( مرضی کے خلاف کام کر ہی لینا )

ایک عالم کے تو سینے پر پھپھولے پڑ گئے کون تھا جو مونگ چھاتی پر سبھوں کے دل گیا

غیر کو کیا کہوں مرے پیارے تو ہی چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

۵۴۔ چھاتی بھر آنا (رقت آجانا)

نہیں یہ ابرِ باراں سوز کے احوال کو سن کر فلک کی ہی محبت سے یہ اب چھاتی بھر آئی ہے

۵۵۔ چھاتی پکانا ( حد سے زیادہ پریشان ہوجانا )

نشست شیخ نے مجلس میں چھاتی تو پکا ڈالی لے آوے یاں کوئی اب جاکے سوز لا اُبالی کو

" ح "

۵۶۔ حجاب نکلنا ( مانوس ہوجانا )

کسی طرح ترے دل کا حجاب نکلے گا مرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا

" خ "

۵۷۔ خالہ جی کا گھر ( کام کو آسان سمجھنا )

یہ عاشقی ہے خانۂ خالہ نہیں میاں سر دے تو پہلے راہ میں ، مُت سر براہ ہے

۵۸۔ خاک چھاننا ( در بہ در پھرنا )

نہ پایا خاکسار اب سوز سا کوئی جہاں کی چھانی ہم نے خاک ساری

۵۹۔ خاک میں ملنا ( فنا ہوجانا )

ہم کو معلوم ہوا تم نہ ملو گے ہرگز ہاں مگر خاک میں جب تک نہ ملاؤ گے ہمیں

۶۰۔ خالی جانا ( بے مراد جانا )

خالی نہ یاں سے اے ستم ایجاد جائیں گے ہم دل میں تیری چاہ کی لے یاد جائیں گے

۶۱۔ خدا کو ماننا ( انصاف کرنا حق کہنا )

خدا کو مان ذرا صبر کر نہ ہو بے تاب تڑپ تڑپ کے مرے سر پہ کیا تو لاوے گا

۶۲۔ خدا لگتی کہنا ( انصاف کی بات کہنا )

بندے کی بندگی کا کسی کو یقیں نہیں  پیارے خدا کے واسطے بول اٹھ خدا لگی

۶۳۔ خندہ (کوتاہ قد )

غریب و ناتواں میں نے سمجھ کر دل کو پالا تھا  سو یہ خندہ بھی میرے حق میں رستم داستاں نکلا

" و "

۶۴۔ دال فے ہونا ( دفع ہو جانا )

نا صحا بک بک نہ کر جا بھی کہیں ہو دال فے  لے گیا تھا اس کے گھر ڈر ہے ترا ؟ ہاں ہاں گیا

۶۵۔ دل جلانا (کوشش کرنا ، غم اٹھانا )

نہ ہوا شمع رو کبھی اپنا  ہم نے دل سو طرح جلا دیکھا

۶۶۔ دل کھول کے رونا (خوب رونا )

رقیبوں کے ڈر سے مبادا نہ کہہ دیں  کبھی کھول کر دل میں رونے نہ پایا

۶۷۔ دل سے اتارنا ( بے وقعت ہو جانا )

گو خلق نے آنکھ سے گرایا  لیکن تو تو نہ اتار دل سے

۶۸۔ دم مارنا ( حیل و حجت کرنا )

خنجر سے منہ نہ موڑا تیغے سے دم نہ مارا  اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

" ر "

۶۹۔ رام ہونا ( قابو میں آنا )

اسلام چھوڑ ہم نے کیا کفر اختیار  تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے خدا عجب

۷۰۔ راہیں مارنا ( راہ کھوٹی کرنا )

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں  جینے مسافروں کو دیتی نہیں نگاہیں

۷۱۔ راہ تکنا ( انتظار کرنا )

بصد الحاح مے خانے میں کل ناصح کو میں لاکر  سحر سے تا بہ شام اے سوز تیری راہ تک دیکھی

۷۲۔ ریزہ چیں ہونا ( پروردہ ہونا )

ادا کس کی زباں سے ہوسکے شکر اس کی نعمت کا دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمدؐ کا

"ز"

۷۳۔ زبان سنبھالنا (خوش کلامی اختیار کرنا)

بھلا کون لچا ہے انصاف کیجیے بھلا آدمی ہوں زباں ٹک سنبھالو

۷۴۔ زبان کٹنا ( بات کرنے کی اجازت نہ ہونا )

کہوں میں بزم میں جا اس کے حال دل لیکن کٹے ہے شمع کی واں تو زبان کیا کیجے

۷۵۔ زمین سخت اور آسمان دور ہونا ( بے یار و مددگار اور بے بس ہونا )

میاں تجھ سے کچھ زور چلتا نہیں زمیں سخت اور آسماں دور ہے

"س"

۷۶۔ سائی بدھائی کرنا ( کسی سے کچھ کہنا کسی سے کچھ کہنا )

عجائب رسم ہے ان دلبران دہر کی یارب کسی کے ساتھ جا سونا کہیں سائی بدھائی ہے

۷۷۔ ستم پھلنا (ظلم کو عروج ہونا)

خدا کے واسطے مت ہٹ کیا کر ستم پھلتا نہیں ہے نوجواں کو

۷۸۔ سر پر خاک ڈالنا (آہ و بکا کرنا)

رووے گا عشق مجھ کو سر خاک ڈال اپنے مرنے کا میرے تجھ کو کاہے کا غم رہے گا

رووے گی عاشقی ہی سر خاک ڈال اپنے محبوب کو ہمارے مرنے کا غم نہ ہوگا

۷۹۔ سر ہتھیلی پر ہونا ( جان کی پروا نہ کرنا )

سوز کا سر تو ہے ہتھیلی پر کس کی خاطر کمر تو کستا ہے

۸۰۔ سر سے صدقے کرنا (اپنے پر سے تصدق کرنا)

سر سے صدقے کر کے اپنے پھینک دے میں ترے صدقے گیا او بے وفا

۸۱۔ سوکھ کر تاگا ہونا (بے حد کمزور ہو جانا)

عجائب بے کسوں کو داد دی ہے تیرے عاشق نے ترے ملنے کی خاطر سوکھ کر یہ ہوگیا تاگا

۸۲۔ سینے میں گھُسنا (اپنا بننے کی کوشش کرنا)

دل دشمن تری الفت نہ مانوں میں نہ مانوں میں جو تو سینے میں گھُس کر دوست کہلائے ہزار اپنا

۸۳۔ سیر ہونا (بھوک مٹ جانا)

شیر بھی تھوڑا لہو پی کر کے ہو جاتا ہے سیر سیر ہوتا ہی نہیں جب تک کلیجہ کھائے عشق

۸۴۔ سینہ سپر کرنا (مقابلہ کرنا)

تیغ آکے جو یار کھینچے اے سوز تو سینے کو ہم سپر کریں گے

" ش "

۸۵۔ شیر و شکر ہونا (گھل مل جانا)

دختر رز اب تو نڈر ہوگئی سوز سے مل شیر و شکر ہوگئی

" ع "

۸۶۔ عُذر بدتر از گناہ (خطا کو تسلیم نہ کرنا خطا کرنے سے بھی بدتر ہے)

تس پر یہ عُذر ہے کہ مرا آشنا ہے وہ میاں جی تمھارا عُذر تو ہے بدتر از گناہ

" ع "

۸۷۔ غصّہ ناک پر ہونا (بات بات پر ناراض ہو جانا)

یہ نت کے کون نکتوڑے اٹھاوے ترا غصّہ تو ہر دم ناک پر ہے

۸۸۔ غم کھانا (تحمل کرنا)

کوئی اب غم نہ کھاؤ خلق میں بے غم رہو یارو کہ میں نے آپ اس سارے جہاں کے غم کو کھایا ہے

" ف "

۸۹۔ فتنے جگانا (ہنگامے برپا کرنا)

چلے جاؤ کیا گھورتے ہو عبث نئے سر سے فتنے جگا کر چلے

جگا مت اے فغاں دل کو کہ اٹھتے سر کو پھوڑے گا قیامت مجھ پہ لاوے گا جو یہ فتنہ کہیں جاگا

## " ق "

۹۰۔ قربان ہونا (نثار ہونا)

کیا سوز کو قتل ہنستے ہی ہنستے میں قرباں ہوا جان ایسی ہنسی کا

۹۱۔ قراولی بدنا (خطِ غلامی لکھنا)

اے سوز میں بدوں تبھی ان کو قراولی شہری غزال یہ جو کسی سے ہلا کریں

۹۲۔ قہر درویش برجان درویش (اپنے اوپر برداشت کرنا)

قہر درویش بر جان درویش شکوہ کیا ہے تیرے ستم کا

۹۳۔ قیامت لانا (مصیبت برپا کر دینا)

جگا مت اے فغاں دل کو کہ اٹھتے سر کو پھوڑے گا قیامت مجھ پہ لا وے گا جو یہ فتنہ کہیں جاگا

## " ک "

۹۴۔ کان پر جوں نہ پھرنا (کچھ بھی احساس نہ ہونا)

کان پر جوں بھی پھری تیرے نہ یار روز تیرے در پہ سر ٹکرا دیا

۹۵۔ کافور ہوجانا (فرار ہوجانا)

مت نام وفا کا لے تو او بے وفا دُر ہو اٹھ اٹھ مرے پہلو سے کافور ہو جا دُر ہو

۹۶۔ کالے کوس (بہت دور ہونا)

دیکھیو میں کھڑا ہوں کالے کوس وہیں پہچان کر مجھے پھڑکا

بے گنہ بے جرم بے تقصیر لاکھوں ہیں موے بھاگتے ہیں تجھ سے کالے کوس اب جلاد بھی

۹۷۔ کسی کا کہا نہ کرنا (بات نہ ماننا)

کہیں تو ہم بات تجھ سے لیکن کسی کا کب تو کہا کرے گا جو سوز پر تو ستم کرے گا تو دیکھ ظالم برا کرے گا

۹۸۔ کلیجہ پکنا (بے زار ہوجانا)

انتظار وصل میں میں تھک گیا ہجر کے ہاتھوں کلیجہ پک گیا

۹۹۔ کمر کسنا (تیاری کرنا)

سوز کا سر تو ہے ہتھیلی پر کس کی خاطر کمر تو کستا ہے

۱۰۰۔ کس باندھنا (تیاری کرنا)

پوچھیو تو ، باندھ کر کس پر چلا ہے تو کمر میں پڑا کھاتا پھروں گا تا قیامت پیچ و تاب

۱۰۱۔ کنارا کرنا (علیحدگی اختیار کرنا)

صبر و قرار و عقل و ہوش سب یہ کنارا کر گئے غرق ہوں بحر فکر میں کس کو اب آشنا کروں

۱۰۲۔ کو بہ کو پھرنا (در بہ در پھرنا)

بچارا سوز بھی مفلس پھرے ہے کو بہ کو یارو دل اپنا بیچ ہی ڈالے اگر دلدار ہو پیدا

۱۰۳۔ کوس بجنا ( دور دور تک شہرہ ہونا )

کہو ان سے تمھاری دوستی کا کوس بجتا ہے رہے گا کس طرح سے سوز عالم میں یہاں مشفق

"گ"

۱۰۴۔ گنبد کی صدا ( جیسا کہنا ویسا ہی سننا )

صدا گنبد کی سمجھے شیخ صاحب ارے میاں سوز کا بانگ فغاں ہے

۱۰۵۔ گریبان میں منہ ڈالنا (اپنے اعمال کا جائزہ لینا)

گریباں میں ذرا منہ ڈال کر دیکھ کہ تونے اس وفا پر مجھ سے کیا کی

۱۰۶۔ گرم ہو کے آنا (برہم ہوجانا)

کیوں طفل اشک میں نے آنکھوں میں تجھ کو پالا اس پر بھی میرے منہ پر تو گرم ہوکے آیا

۱۰۷۔ گلے پڑنا (کسی پر بوجھ بن جانا)

گلے تیرے نہیں پڑنے کے مت ڈر چلا جاوے گا سیدھا آسماں کو

۱۰۸۔ گھر گھالنا (درہم و برہم کر دینا)

آہ پر آہ نالے پر نالا عشق صاحب نے میرا گھر گھالا

۱۰۹۔ گھر بیٹھ جانا (خاتمہ ہوجانا)

گھر جنوں کا بیٹھ ہی یارو گیا تھا بعد قیس ہم اگر برپا نہ کرتے خانہ زنجیر کو

۱۱۰۔ گھات لگانا (تاک میں ہونا)

سوز آگے سنبھل کے جانا بیٹھا ہے لگائے گھات بانکا

۱۱۱۔ گیا گذرا ہونا (ناکارہ ہونا)

سوز کے قتل پر کمر مت باندھ ایسا جانا ہے کیا گیا گذرا

سمایا بے ستوں میں کوہ کن اور دشت میں مجنون میں ایسا کیا گیا گذرا ہوں ہر دل میں سماؤں گا

۱۱۲۔ لاگ لگانا (گھات لگائے ہونا)

عزم شکار کرکے تو اے نازنیں نہ جا بیٹھے ہیں لاگ تجھ پہ لگائے کہیں نہ جا

۱۱۳۔ لگا لینا (مائل کرلینا)

لگا ہی لیا ایسے وحشی کو آخر میاں سوز تم نے بڑا فن کیا ہے

۱۱۴۔ لگا دینا (غیبت کرنا)

سوز کیا بک رہا ہے بس چپ رہ کوئی جو اس کو جا لگا دیوے

۱۱۵۔ لگی کو بجھا دینا (طلب پوری کر دینا)

میں تو دیدار کا بھوکا ہوں فقط اس لگی کو تو بجھا دے یارب

۱۱۶۔ لوکا لگنا (آگ لگنا)

الہیٰ محبت کو لگ جائے لوکا کہ اٹھتا ہے ہر دم جگر سے بھبھوکا

مرے دل کو وہیں لوکا سا اک آکر لپٹتا تھا کبھی تو بھولے پن میں سوز کی ہاں یاد میں کرتا (؟)

۱۱۷۔ لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہونا (نام کے لیے کسی کام میں شمولیت کرلینا)

داخل شہیدوں میں تو لوہو لگا کے سب تھے شمشیر ناز سے پر افگار تھا سو میں تھا

۱۱۸۔ لینے دینے میں ہونا (اچھے برے میں ہونا)

کسی کے لینے دینے میں نہیں کونے میں بیٹھے ہیں تمھارا غم ستاتا ہے اسے سمجھائیے صاحب

۱۱۹۔ لے کے مکرنا

کاہے کو گھورتا ہے ظالم کچھ لے کے ترا مکر گئے ہم ؟

۱۲۰۔ مان گھٹنا (اہمیت کم ہوجانا)

بزم میں رکھتے ہی قدم شام کی صبح ہوگئی شمع کا مان گھٹ گیا دیکھیو منہ کے نور کا

۱۲۱۔ مر رہنا ( کہیں جا کر کھو جانا یا بیٹھ رہنا )

بس اے قاصد کبوتر کی طرح تو بھی نہ مر رہیو جو تجھ سے کچھ حقیقت کہہ نہ آوے کچھ تو جا کہنا

۱۲۲۔ مرزا منش ( صاحب ذوق )

لیتے نہیں مرزا منش جس چیز میں ہووے خلش تو کیا کرے گا چھین کر میرے دل صد چاک کو

۱۲۳۔ مزا پڑنا (عادت ہوجانا)

خدا حافظ اے دل ترے پیارے جی کا کہ تجھ کو مزا ہے پڑا عاشقی کا

۱۲۴۔ منہ تکنا (حسرت سے دوسروں کو دیکھنا)

بہ یاد یار ہر اک غنچے کا ہوں منہ تکتا کہ اس میں ٹھیک ہے انداز خامشی اس کا

۱۲۵۔ منہ جُھٹالنا (بار بار کھانا پینا)

دو چار پیالیوں میں ہوتا نہیں نشہ کچھ ہاں منہ کو جب جُھٹالیں جب مے سبو سبو ہو

۱۲۶۔ منہ چڑھنا (گستاخ اور بے باک ہوجانا)

الٰہی دل کو مرے اپنے حفظ میں رکھیو کہ منہ چڑھی ہے بہت زلف یار کی مقراض

۱۲۷۔ منہ چڑانا (مذاق اڑانا)

میں نے اس کو کہا سنا یارو بات کرتا ہوں منہ چڑاتا ہے

۱۲۸۔ منہ کالا ہونا (ذلت ہونا)

تم نے دل کو پھنسایا زلفوں میں انکھڑیوں ہو تمھارا منہ کالا

۱۲۹۔ منہ کھلوانا (شکایات کرنے کے مواقع دینا)

بس منہ کو مت کھلاؤ میاں در گذر کرو میں جانتا ہوں تم کو نہ آنکھوں میں گھر کرو

۱۳۰۔ منہ لگنا (گستاخ ہونا)

لگے ہے دیکھ تو کس کس کے منہ پر آ کے مجلس میں نہ کر سنگ جفا سے محتسب دل چور شیشے کا

۱۳۱۔ منہ موڑنا (فرار ہونا، اجتناب برتنا)

خنجر سے منہ نہ موڑا تیغے سے دم نہ مارا اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

۱۳۲۔ منہ میں پانی بھرنا (للچانا)

لے کے شبنم "منہ میں پانی بھر رہا ہے" شوق سے دیکھ تیرے رُو کو خمیازے پہ اکتاتا ہے گُل

۱۳۳۔ من مارنا (خواہش کو دبالینا)

جہاں بیٹھا جہاں سوتا ہے اے دل تو سلامت رہ کہ تیرا ہر گھڑی " من مار " رہنا یاد آتا ہے

۱۳۴۔ موٹا شکار ہونا

یا ناوک مژہ سے یا تیغ ابرواں سے جیتا نہ چھوڑ دل کو " موٹا شکار " ہے گا

" ن "

۱۳۵۔ نادان دوست جان کا دشمن (نادان انسان کی دوستی بھی نقصان کا سبب بنتی ہے)

معلوم اپنے دل کے سلوکوں سے یوں ہوا ناداں جو ہووے دوست وہ دشمن ہے جان کا

۱۳۶۔ نظر سے جدا ہونا (دور ہو جانا)

نظروں سے ایک دم نہیں ہوتا مری جدا اے سوز کیا کروں میں بیان وفاے اشک

۱۳۷۔ نظر لگنا

ڈرتا ہوں میں اے سیم بر تجھ کو نہ لگ جائے نظر چمکا نہ تو ہر بات میں اس ابروے چالاک کو

۱۳۸۔ نظر میں خار ہونا (وجود گوارا نہ ہونا)

دیکھے جو کوئی چمن میں تجھ کو گُل اس کی نظر میں خار ہوگا

۱۳۹۔ نوبت بجانا (شان جتانا)

ہر اک اپنی اپنی بجاتا ہے نوبت بجا سوز کا کوس شہرت بجا ہے

۱۴۰۔ ہاتھ اٹھانا (دست کش ہونا)

بس طبیبو ہاتھ تم اب سوز سے اٹھاؤ اتنے دنوں میں کون سی اس کو دوا لگی

۱۴۱۔ ہاتھ پاؤں پھولنا (گھبرا جانا)

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں پھول گھبرا گیا نہ اے دل نا کردہ کار حیف

۱۴۲۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانا (نا ممکن کام سر انجام دینا)

کھینچ لائی ہے چمن میں کیوں کہ اس مغرور کو تونے کیا سرسوں ہتھیلی پر جمائی ہے بسنت

۱۴۳۔ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑنا (پریشان کرنا)

پڑا تھا ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے	اب آیا چین کیوں بد خو گیا دل

۱۴۴۔ ہاتھ کٹانا (بے اختیار ہو جانا)

کٹا کر ہاتھ، منہ آگے نہ مانگوں گا مزا لیجے	... اس ڈھنگ سے گذرے گی ... ایک دن ہو گا

۱۴۵۔ لگتے ہاتھ کر لینا (ایک ساتھ کام کر لینا)

چھری دیتے ہو عالم کے گلے پر روز و شب پیارے	یہ لگتے ہاتھ کر لو سوز کی گردن جدا بیٹھو

۱۴۶۔ ہاتھ ملنا (افسوس کرنا)

آہ جی اس طرح نکلتا ہے	جس نے دیکھا سو ہاتھ ملتا ہے

۱۴۷۔ ہماری بات ہم پر (جو الزام لگائے اسی پر الزام [illegible])

ہمیں کہتا ہے در ہو بے وفا خوب	ہماری بات کیوں پیارے ہمیں پر

۱۴۸۔ ہوش اڑنا (گھبرا جانا)

عشق تو کرتے مگر واقف نہ تھے اس چال سے	اڑ گئے ہوش و حواس آواز سے خلخال کے

## ۱۱۔ روز مرّہ اور تکیہ کلام:

محاورے اور روز مرّہ کے اعتبار سے سوز کا کلام بہت بلند پایہ ہے وہ بڑی صفائی سے ان کو برتتے ہیں ان میں بڑی بے تکلفی اور بے ساختگی ہوتی ہے۔ محاوروں کی تو ہم نے ایک فہرست دی ہے لیکن سوز کے کلام میں دراصل روز مرّہ اس طرح ہے کہ مثال میں پورا کلام پیش کیا جاسکتا ہے۔ شاید ہی کوئی غزل ایسی ہو جو روز مرہ سے خالی ہو چند شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

نہ چھیڑو سوز کو یہ اک نئی تم نے نکالی ہے	کوئی بھی دوکھتا ہے جان من الفت کے ماروں کو

میں ترے قربان جاؤں یہ تری تقریر ہے	ذبح بھی کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں قرباں نہ ہو

مست تو پھرتا ہے راتوں کو کہیں بہتاں نہ ہو	اور تو تو جان لے پر سوز کا مہماں نہ ہو

اور لو طوفان بوسہ بھی لیا اچھا میاں	منہ لگا کس دن میں تیرے یا چلا ہمرہ غلط

اسی طرح بعض الفاظ تکیہ کلام بن گئے ہیں جیسے، بھائی، صاحب، میاں، جان، میاں سپاہی جی، میاں جان، جان من، میاں بانکے وغیرہ

کہاں میں اور کہاں اندیشہ بوس و کنار اس کا
نہ بھائی ! یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا

وہ میرے نام سے بے زار ہے ملنے کے کیا معنی
نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا

یار اگر صاحب وفا ہوتا
تو میاں جان کیا مزا ہوتا

ہمارا دل بھی صنم خانہ قدیمی تھا
میاں سپاہی جی تم نے جہاد بھی نہ کیا

پیارے آنکھیں تو پونچھ لوں بیٹھو
ابھی مت جائیو برستا ہے

نہ چھیڑو سوز کو یہ اک نئی تم نے نکالی ہے
کوئی بھی چھیڑتا ہے جان من الفت کے ماروں کو

بغیر از دست دشمن کا نہیں پیتی ہے خوں ہرگز
میاں بانکے تمھاری تیغ ابرو کا بھی جس دیکھا

## ۱۲۔ تشبیہات اور استعارے :

سوز کا کلام سادگی اور سلاست کا ایسا شاہ کار ہے کہ اس میں صنعت گری تلاش کے باوجود نظر نہیں آتی وہ اتنے عام فہم اور سادہ طریقے سے دل کی بات کہتے ہیں کہ اسے موثر بنانے کی مزید ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ سادگی بیان ہی کا یہ اثر ہے کہ سوز کے ہاں استعارات اور تشبیہات خال خال ملتی ہیں ، مثلاً

توبہے اب اس طرف اے کشتی بحر مراد
اس کی خاطر میں بھی سیر موجۂ دریا کردں

اے دل تو اس کے حسن مخطط کو آ تو دیکھ
خورشید آ کے تا بہ لب بام رہ گیا

نظر کر زلف کے حلقے میں اے دل
گل خورشید پھولا شام میں دیکھ

برگ گل بہتے ہیں جیسے آبشار باغ میں
لخت دل جھڑتے ہیں ویسے آنکھ کے ناسور سے

## ۱۳۔ وہ غزلیں جو نظم بن جاتی ہیں :

سوز کی غزلیں ایک خاص کیفیت کی حامل ہیں ۔ ان میں شروع سے آخیر تک ذہنی ہم آہنگی اور فکری تسلسل قائم رہتا ہے ان کی غزلیں نظم سے مشابہت رکھتی ہیں ان میں ایک ہی قسم کا مضمون پایا جاتا ہے اور نفس مضمون کے لحاظ سے باقاعدہ عنوان مقرر کیا جاسکتا ہے ۔ سوز کا اپنے معاصرین میں یہ اہم کارنامہ ہے ان کی جولانی طبع غزل کی تنگ دامانی کی متحمل نہیں ہوتی جوش بیان اور زور لسان غزل کو نظم میں بدل دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلوص اور جذبے کی شدت ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ دل کی بات وضاحت اور صراحت سے بیان کریں ، دیوان سوز میں بہت سی ایسی غزلیں ہیں جن کو نظم کہا جاسکتا ہے یہاں پر بطور نمونہ دو

غزلیں پیش کی جاتی ہیں :

ملنے کی تیری دل میں ہیں گی ہوائیں کیا کیا
مانگی ہیں تیرے حق میں ہم نے دعائیں کیا کیا

دکھ درد ٹیس جلنا رہ رہ کے کھول پڑنا
پھوڑا ہے دل نہیں ہے تجھ کو سنائیں کیا کیا

خوف رقیب ، حسرت ، عجز و نیاز منت
جیوے پہ یہ اذیت آفت اٹھائیں کیا کیا

تن چاک ، سینہ سوزاں ، دل داغ ، چشم گریاں
تو دیکھتا نہیں ہے تجھ کو دکھائیں کیا کیا

لے سر سے تا بہ سینہ ، سینے سے لے قدم تک
ہاتھوں سے اپنے لی ہیں تیری بلائیں کیا کیا

آنا تو جوں چھلاوا ، دل چھل کے بھاگ جانا
ہم نے سہی ہیں پیارے تیری دغائیں کیا کیا

دل موم اب ہوا ہے فرمانا میرے صاحب
بازیچہ تیری خاطر اس کا بنائیں کیا کیا

خنجر سے منہ نہ موڑا ، تیغے سے دم نہ مارا
اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

---

قضا را وہ قاتل ادھر آن نکلا
کہ لینے کو اس کے مرا جان نکلا

کھڑا نعش پر ہو کے بولا کہ ہے ہے
یہ کُشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا

چھری لے کے من بعد سینے کو چیرا
تو دل کی جگہ خشک پیکان نکلا

مرا کُشتہ ایسا تو تھا جس کی خاطر
یہ خورشید پھاڑے گریبان نکلا

کھڑے رہنے والو مگر سوز ہے یہ
بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا

ہوے گرچہ عاشق ہزاروں و لیکن
مرے سوز سا کون بے جان نکلا

---

ایک دن اس شوخ سے میں لگ چلا
رمز میں کرنے لگا اظہار پیار

جب تلک وہ چپ رہا میں بڑھ چلا
دل میں آیا آ نہ کر اظہار پیار

کھول کر آغوش جوں کھسکا وہیں
کہنے لاگا وا چھڑے چل جھک نہ مار

## ۱۳۔ تلمیحات :

سوز کے کلام میں تلمیحات بھی جا بجا ملتی ہیں ان میں بعض تلمیحوں کو بہت سلیقے سے باندھا گیا ہے۔ ان میں سے بیشتر قرآنی تلمیحات ہیں برائے نام فارسی اور عربی داستانوں کی ہیں۔

۱۔ آدم و حوّا :

فرق اتنا ہے کہ تم صاحب کہائے ہم غلام　　آدم و حوا ہیں سب ایک کی اولاد ہیں

۲۔ طوفان نوح : قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا سوز نے اسی تلمیح سے فائدہ اٹھایا ہے

جوش کو دل کے کبھی لگ نہ سکے جوش تنور　　سوز کے رونے کو اے یار نہ طوفان لگا

دوسرے شعر میں طوفان نوح کی شدت کا ذکر ہے

آنسوؤ دریا کوئی تم سا نہیں ہے پر خروش　　یہ تلاطم کب ہوا تھا نوح کے طوفان میں

۳۔ آتش نمرود : نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید پرستی سے روکنے کے لیے آگ میں زندہ جلا دینے کا حکم دیا تھا لیکن وہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی اور انگارے مثل پھول کے ہوگئے۔قرآن شریف میں اس واقعے کا ذکر ہے ۔ سوز نے اس واقعے کو اس طرح باندھا ہے ۔

غم نہیں دنیا میں ہرگز صاحب تسلیم کو　　آتش نمرود تھی گلزار ابراہیم کو

۴۔ لحن داؤدی : حضرت داؤد علیہ السلام کی پرسوز حمد سے لوہا بھی پگھل جاتا تھا ۔ سوز نے روز ازل کا ذکر کر کے لحن داؤدی کی طرف اشارہ کیا ہے

اَلستُ کی صدا سے اب تلک دل محو ہے یارو　　بلا جانے ہماری نغمۂ داؤد کیسا ہے

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام : اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو پیغمبری اور بادشاہت دونوں سے نوازا تھا ہواؤں پر بھی آپ کا حکم چلتا ہے۔

سوز کا شعر ہے :

صبا تجھ کو سلیماں کی قسم ہے جھوٹ مت کہیو　　یہ کون آتا ہے جو گلشن نہیں پھولا سماتا ہے

۶۔ تخت سلیمان

گر ہم نے آ کے تخت سلیماں کیا حصول　　اک روز اس جہان سے برباد جائیں گے

۷۔ حسن یوسف : حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مشہور ہے اسی سے متعلق ایک شعر ہے

ہر صورت انسان میں ہے صورت یوسف　　اے شیخ تجھے حسن نظر ہووے تو جانے

۸۔ برادران یوسف : حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو حسد کے باعث کنویں

میں ڈال دیا تھا۔ سوز کہتے ہیں

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی　　بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے

۹۔ حضرت یوسف کی فروختگی: مصر میں حضرت یوسف کو خرید لینے کے سب ہی طلب گار تھے

یوسف کی کب تھی گرمیِ بازار اس قدر　　جو دھوم تیری کوچہ و بازار میں رہی

۱۰۔ گریہ یعقوب: حضرت یوسف کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اشک باری کا ذکر اردو شاعری میں جا بجا ملتا ہے

مجھ کو ان آنکھوں نے محجوب اس پیمبر سے کیا　　لے گئی ہیں آبرو یہ گریۂ یعقوب کی

غیر یعقوب اور کیا جانے　　حال عاشق کی اشک باری کا

بھری ہے چشم دل میں بسکہ اس محبوب کی صورت　　مرے ہر اشک کا قطرہ ہے گویا یوسف ثانی

۱۱۔ عشق زلیخا: حضرت زلیخا کا پورا واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ حضرت زلیخا کی حضرت یوسف سے محبت کا اردو شاعری میں بارہا ذکر ملتا ہے

وہ بولا جسے تیری تصویر نظر آئی　　یہ خواب زلیخا کی تصویر نظر آئی

کیا فائدہ یعقوب سے ہم ہوویں ندیدے　　عاشق ہو زلیخا سا تو یوسف کو خریدے

۱۲۔ کوہ طور: حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہِ طور پر گئے تھے

جس طرح پردہ اٹھا کر شوخ نکلا ناز سے　　اس طرح موسیٰ نہ لائے آگ کوہ طور سے

۱۳۔ جلوۂ طور: آگ کی تلاش میں حضرت موسیٰ کوہ طور پر پہنچے وہاں آگ کی بجائے پیغمبری مل گئی لیکن جمال الٰہی نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا

طور پر آکے تجلی کو بھی دیکھا موسیٰ　　میرے صاحب کی سی پر طلعِ بیدار کہاں

۱۴۔ برق طور: اس تجلی سے حضرت موسیٰ بے ہوش ہوگئے اور طور کی پہاڑی جل کر سُرمہ بن گئی

سرمہ ہوا کہ خلق کی آنکھوں سے دید حق کیا　　دل ہو تو ہو پہاڑ سا عشق ہے کوہ طور کو

۱۵۔ صبر ایوب: حضرت ایوب علیہ السلام سخت ترین آزمائشوں سے گذرے لیکن آپ نے ان سب کو صبر اور تحمل سے برداشت کیا

کب تلک اس دل کو ظالم صبر ہم دیتے رہیں　　جیب میں اپنی شکیبائی نہیں ایوب کی

صبر اس سے زیادہ کرنا کام ہے ایوب کا　　لو خبر میری کہ اب عاشق کی طاقت طاق ہے

۱۶۔ حضرت خضر : مشہور ہے کہ حضرت خضر کو ابدی عمر بخشی گئی ہے

جوں خضر ہوس عمر ابد کی نہیں مجھ کو　　اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس میں گذرے

حضرت خضر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بھولے بھٹکوں کی رہ نمائی کرتے ہیں اور آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دریا کا سفر جن کی رہ نمائی میں کیا تھا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہی تھے۔ قرآن شریف میں اس واقعے کا خاص طور سے ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر آبادیوں سے دور رہتے ہیں ان کو کسی نے دیکھا بھی نہیں ہے سوز اس لیے عنقا اور ہما کی روایتوں کے ساتھ حضرت خضر کا ذکر کرتے ہیں

عنقا ہوں یا ہما ہوں وگر ہوں مسیح و خضر　　آبادیِ جہان سے عزلت گزیدہ ہوں

۱۷۔ حضرت زکریا کی شہادت : قوم کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کر رہے تھے ۔ ان میں سے کچھ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے ۔ آپ ان سے بچنے کے لیے بھاگے ۔ سامنے ایک بہت موٹا درخت تھا وہ پھٹ گیا اور آپ عالم خوف میں اس کے شگاف میں چلے گئے ۔ درخت پھر سے برابر ہوگیا لیکن آپ کی عبا کا ایک کونہ باہر رہ گیا ۔ پیچھے پیچھے دشمن بھی جا پہنچے انھوں نے کرتے کا کونا دیکھ کر سمجھ لیا کہ آپ درخت میں چھپ گئے ہیں انھوں نے درخت کو چیرنے کا فیصلہ کیا اس وقت وحی آئی کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ غیر اللہ کی پناہ تلاش کریں اور اس کے حکم کے بغیر دشمنوں سے ڈر کر فرار ہوں ۔ منصب نبوّت اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ جب درخت چیرا جا رہا ہو تو زبان سے اُف نہ ہو۔ سوز کہتے ہیں

جو کوئی عاشق مولا ہے اسے یہ نا چیز　　زکریا کی سی طرح تا بہ کمر چیریں گے

۱۸۔ فرعون و شدّاد :

اے عزیزو اٹھ گئے دنیا سے یوسف طلعتان　　اور جو باقی ہیں سو فرعون ہیں شدّاد ہیں

۱۹۔ مسیحا : حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ اور بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے ۔

عیسیٰ کو یقیں ہے کہ نہ جاوے گی تپ عشق　　وہ درد کا میرے کبھی درماں نہ کرے

نوک سوزن واسے اب جاگہ نہیں ہے دل میں واسے　　سوزن عیسیٰ سے چاک دل سلاؤں کیا کروں

۲۰۔ شقّ القمر : رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے کفار نے کہا کہ آپ اگر سچے رسول ہیں تو چاند کو حکم دیجیے کہ بیچ سے دو ہوجائے۔ آپ نے انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ۔ سوز اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں

ماہ رویوں کے مقابل تو نہ ہولے خورشید　　ورنہ تجھ کو بھی وہ جوں شقّ قمر چیریں گے

۲۱۔ سکندر : کہتے ہیں کہ سکندر کے عہد میں آئینہ بنایا گیا تھا ۔ چناں چہ جب آئینے کا ذکر ہوتا ہے تو سکندر بھی یاد آجاتا ہے

نہ پوچھو مجھ سے اے یارو دماغ ان سادہ رویوں کا　　سکندر کے تئیں سمجھیں ہیں یہ آئینہ وار اپنا

۲۲۔ رستم : رستم فردوسی کا ہیرو ہے اس کی قوت اور شجاعت ضرب المثل ہے

رستم نے گو پہاڑ اکھاڑا تو کیا ہوا　　اس کو سراہیے جو ترا ناز اٹھا سکے

۲۳۔ قیس و فرہاد : قیس عرب کے اور فرہاد ایران کے مشہور زمانہ عشّاق ہیں

کتابوں میں نہ دیکھو قیس اور فرہاد کا قصّہ　　انھوں کا حال میرے اس دل ناشاد سے پوچھو

ہووے قدرت میں اس کی قیس اور فرہاد سے لاکھوں　　و لیکن سوز سا کوئی عاشقوں کے بیچ کم نکلا

۲۴۔ جوے شیر : فرہاد نے جوے شیر تیار کرلی تو خسرو کی فرستادہ عورت نے اس کو یہ جھوٹی خبر سنائی کہ شیریں مرگئی۔ فرہاد نے اس خبر کو سن کر خود کو ہلاک کرلیا ۔

گو کہ سر پھوڑ کے جوئے خوں کی بہا دے فرہاد　　لیک مجنوں سی تری دیدہ خونبار کہاں

پھاڑ کر جوئے شیر شیریں نے　　کہا فرہاد سے سیے ہی بنے

۲۵۔ مانی و بہزاد : ایران کے دو بڑے مُصوّر

کام دیکھا میں بہت مانی و بہزاد کا ہائے　　آنکھوں میں تیری ہی تصویر بہت اچھّی ہے

## ۱۵۔ مقامی اثرات :

سوز نے طویل عمر پائی اور دہلی سے مرشد آباد تک کا سفر کیا اگرچہ وہ ایک معزّز تھے لیکن امراء کے تعلق نے ان کا عوام سے رشتہ ٹوٹنے نہ دیا ۔ اپنی منکسر المزاجی

کے باعث وہ عوام سے بہت قریب رہے اور جہاں جہاں انھوں نے قیام کیا وہاں کے اثرات کو بھی قبول کیا۔ ان کے کلام میں جا بجا ایسے الفاظ ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ مقامی اثرات کو انھوں نے قبول کیا۔ ان کے کلام کا مطالعہ کرنے والا یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ شاعر ہندوستان کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہے ۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں خوشی کے موقع پر دودھ چاول سے مہمانوں کی ضیافت کی جاتی ہے ، ساتھ ہی ان کے ہاں پرندوں میں کوے کو خوشی کی خبر لانے والا سمجھا جاتا ہے ۔ اسی طرح ستی ، گنگا ، جمنا ، گوپن ، کنگال ، چوک وغیرہ

کھلاویں گے تجھے ہم دودھ چاول پیٹ بھر بھر کر　　خدا کے واسطے جلدی خوشی دے سوز کی کا گا

---

دیکھ آیا ہے کیا ستی ہوتے　　سوز کیا با فراغ . جلتا ہے

---

کوئی کہتا ہے یہ قصر فلک میں نے کیا پیدا　　کوئی کہتا ہے یہ گنگا تو میری ہی کھدائی ہے

---

نہ دی فرصت کسی نے خون یک قطرہ کے بہنے کی　　وگرنہ ہم تو رکھتے ہیں جمن اور گنگ آنکھوں میں

---

دل کو میرے زلف میں رکھ کر کیا قربان سر　　جس طرح پتھر بھراوے باغباں گوپن کے بیچ

---

بھیڑ ہوجائے گی سب کنگال دوڑیں گے ابھی　　اے مری چشم غریب اتنی گہر باری نہ کر

---

سوز کو کل چوک میں دیکھا عجب احوال سے　　پوچھتا پھرتا تھا میرا آشنا کس نے لیا

---

## ۱۶۔ نئے مضامین :

سوز کے ہاں بعض مضامین بالکل نئے ہیں اور ان کو ادا کرنے میں انھوں نے بڑی ندرت فکر سے کام لیا ہے

تو لکڑیاں کھاوے گی بہت اے شب ہجراں　　گر سوز کا دل ٹک بھی کہیں خام رہے گا

الٹ گئیں سوز کی آنکھیں پس از مرگ　　دیا ہے جی نگاہ واپسیں پر

ہر اک قطرہ سرِ مژگاں پہ ہے جوں پارہ آتش — تماشہ دیکھ پیارے دار پر منصور جلتا ہے

اور کچھ پایا نہیں ہم نے دلِ وحشی کا کھوج — پر لہو سا لگ رہا تھا نوک ہر یک خار سے

کلائی ہاتھ کی مڑتی ہے انگڑائی میں جو اس کی — کسی نے اس طرح کی شاخ گل میں کب لچک دیکھی

اشک تو منہ پہ مرے گرم نہ ہو کر یوں آئے — گل کے گہوارے میں شبنم بھی تو جھولی ہوگی

دلا پروانہ تیرا مجھ سے بہتر کون ہووے گا — تجھے مت بھولیو جس وقت ذوقِ سوختن ہووے

مرگ مشتاط ہے ازل سے ساتھ — یہ ملاتی ہے جلد دوست سے دوست

صنم پوجنے والو اب مجھ کو پوجو — مجھے بت نے اپنا برہمن کیا ہے

۱۷۔ رعایتِ لفظی:

سوز کے اشعار میں رعایت لفظی کا بہت اہتمام ملتا ہے۔ بعض جگہ رعایت لفظی ایہام کی سرحد تک جا پہنچتی ہے۔ جیسے

ترسا سے ترس کھایا احوال سن کے میرا — بے ترس ڈر خدا سے اتنا نہ مجھ کو ترسا

عجب پیچ سے لپٹا ہے دل کو مار سیاہ — صنم کی زلف مرے دل کو کاش ڈس دیکھے

ہر گھڑی باغ میں مت ہو گل چیں — ایک دم غنچوں کو ہنس جانے دے

گر ہم نے آکے تخت سلیماں کیا حصول — اک روز اس جہان سے برباد جائیں گے

بات ہے یا کہ پھول جھڑتے ہیں — یار غنچہ دہان کے صدقے

شرمندگی سے چاند نہ نکلے گا پھر کہیں — تو چاندنی کو دیکھنے اے مہ جبیں نہ جا

بیچ سے ہونٹوں کے گالوں کے نہیں — عارضی ہوتے یہ مت بہلایئے

۱۸۔ ہندی الفاظ میں فارسی اضافت

سوز کے ہاں ہندی الفاظ کے ساتھ فارسی اضافت ملتی ہے۔ انہوں نے بھی فارسی اضافتیں ہندی الفاظ کے ساتھ لگائی ہیں۔

دل پڑ رہتا ہے [illegible] — جس طرح جھڑیاں لگی ہیں موسمِ ساون کے بیچ

۱۹۔ فارسی محاورے

شعرائے قدیم نے فارسی محاوروں کو اردو [illegible] ہے جیسے۔

فارسی مستعمل تھے سوز نے بھی اس روش کو اختیار کیا ہے ۔ مثلا برباد دادن ، دشمن کردن ، ثواب کردن ، خواب کردن ، گوش کردن ، جواب کردن

برباد دے جو اپنے تئیں اس کو کون دے — دیتے نہیں کچھ اس لیے اہل کرم مجھے
ترا شکوہ جو منہ سے نکلے ہے میرے — مرے دل نے ہاں تجھ سے دشمن کیا ہے
مدفون اپنے کوچے میں کرنے دے سوز کو — قاتل خدا کے واسطے اتنا ثواب کر
دل تیرے اضطراب سے ہے جان ناک میں — اے فتنے ایک آن تو سینے میں خواب کر
بات تم سن کے رقیبوں کی پشیمان ہوئے — حرف میرا یہ مگر ہے جو اگر گوش کرد
سوال دل شکنی کا میں کیا کہوں اپنی — کہ تونے کون سے نقصان کا جواب کیا

## ۲۰۔ واحد جمع :

سوز کے ہاں واحد جمع کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا ہے ۔ وہ بطور محاورہ عوام اکثر جمع کو واحد کے بطور استعمال کر جاتے ہیں مثلا غرباء، ملوکوں ، اغراض وغیرہ

بھائی کہنا ہر ایک غرباء کو — بہ تلطف کلام ہے جس کا
چشم عبرت کھول کر ٹک دیکھ تو اے مست خواب — دہر نے کن کن ملوکوں کا کیا خانہ خراب
کبھی تو فیض کو پہنچوں میں اے مرے فیاض — کہ تیرے فضل سوا کچھ نہیں مجھے اغراض

## ۲۱۔ تذکیر و تانیث :

سوز کے کلام میں تذکیر و تانیث کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا گیا ہے وہ مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر بول جاتے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس زمانے میں اس کی تخصیص نہ ہو مثلاً انتہا ، بلبل ، بانگ ، جان ، خاص ، دید ، دستار ، راہ ، سیر ، شرم و حیا ، فغان ، محفل ، مالا ، مینا کو مذکر ۔ جور و ستم کو مونث اور گلزار کو مذکر و مؤنث دونوں طرح سے باندھتے ہیں ۔

سبھی آغاز میں مارے گئے عشاق دنیا میں — ازل سے اب تلک کس نے کسی کا انتہا دیکھا
اگر ہو وصل میں عاشق کو آرام — تو بلبل باغ میں نالاں نہ ہوتا
عرش تک پہنچائے گا ناقوس کا بانگ بلند — پر نہ جانا تھا کہ یہ کافر مسلماں ہوئے گا
جان کا کیا کروں بیاں احسان — یہ نہ ہوتا تو مرگیا ہوتا

رکھتے ہیں تیری زلف کے ہر تار کا خلش
کس برہمن کے دل میں ہے زُنّار کا خلش

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
وابستہ ہوں چشم خوں فشاں کا

شیخ کو کوچہ مے خانہ میں ہم نے دیکھا
تن سے مُجبّہ تھا جدا سر سے تھا دستار جدا

جگر پر زخم خنجر سے ہوا اور ہے دہن پیدا
الٰہی شکر تجھ سے اب ہوا راہِ سخن پیدا

کریں شعار بہم دل کے یار داغوں کا
تو آج سیر کریں آکے اپنے باغوں کا

گرچہ تھا وہ شمع رو فانوس میں تن کے ولے
پر وہاں شرم و حیا بھی مانعِ دیدار تھا

جگر سے آہ دل سے نالہ سینے سے فغاں نکلا
سراسے تن سے کیا حسرت زدوں کا کارواں نکلا

اے نکہت گل جائیو محفل میں کسو کے
ٹک دل کو مرے ڈھونڈھیو تو دل میں کسو کے

میں تو روتا نہیں ہوں مت جھنجھلا
موتیوں کا گلے میں ہے مالا

مینائے دل جو ٹوٹا تو ٹوٹا بلا سے جان
ہوتا ہے کیف میں یہ مرے یار، کیا ہوا

امید میں رکھتا ہوں صنم تیرے کرم کی
اس واسطے برداشت یہ سب جور و ستم کی

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا
اپنے ہی من میں پھولے گی گلزار دیکھنا

مت داغ اسے بوجھ کہیں سیر کر اس کی
پھولا ہے مرے دل میں یہ گلزار محبت

## ۲۲۔ فارسی تراکیب:

کہا جاتا ہے کہ سوز کے کلام میں فارسی زبان کا اثر کم ہے وہ فارسی الفاظ اور تراکیب کم سے کم استعمال کرتے ہیں یہ بات کسی حد تک صحیح ہے لیکن اس رائے پر مزید اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ سوز کی غزلیات کے دو معیار ہیں، ایک معیار تو وہ ہے جہاں ان کی زبان عام بول چال سے مل جاتی ہے۔ یہ زبان ایک عام آدمی کی زبان ہے جس میں عربی اور فارسی کے کم سے کم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، لیکن سوز کی غزلوں کا دوسرا معیار زبان کے لحاظ سے پہلے معیار سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کی غزلوں میں فارسی زبان کے الفاظ اور تراکیب بڑی صفائی سے استعمال کی گئی ہیں وہ غزلیں کسی طرح بھی سودا، درد اور میر سے کم نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسری قسم کی غزلوں کا قوام ہی فارسی آمیز اردو سے اٹھایا گیا ہے۔ اور ان غزلوں کو نادر ترکیبوں سے مزیّن کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اوراقِ گُل، بلا گرداں، پاداری،

پرکالۂ آتش ، تیز دستی ، جاں بلب ، چور نظری ، خود نمائی ، دامن سوار ، دل غم دیدہ ، ستم پناہ ، سروِ خوش خرام ، سپرداری ، شست و شو ، شہرۂ آفاق ، صبر آزمائی ، غبار خاطر جاناں ، قضائے حرص ، کُنج عُزلت ، کلبۂ احزاں ، مروت دستگاہا ، مینائے دل ، نے سوار ، ناخن دست حنائی ، نشاط دل عاشق وغیرہ بہت حسین تراکیب ہیں ۔

اوراقِ گُل اڑتے ہوئے دیکھے تو یہ بولا
دیکھو تو اڑا دوں گا یونہی تل میں کسی کے

جب تلک بیٹھا ہے تو جب تک ہے میرے جی میں جی
اے بلا گرداں ہوں میں تیرے یہیں رہ جا نہ جا

یار اگر دل کی طلب گاری کرے
کون سا دل ہے کہ پاداری کرے

دل آپ ہے پرکالۂ آتش میں کہوں کیا
اس امر میں ہرگز نہیں تقصیر کسو کی

وہ مجھ کو ذبح کرتا تھا چھُری سے
میں اس کی تیز دستی تک رہا تھا

عالم کی تمنا میں ترا جاں بلب آیا
رحمت ہے خدا کی تو لب بام نہ آیا

گو نہیں کہتا کہ میں نے دل لیا
چور نظری میں تو اس کی پا گیا

یہ ہر دم نصیحت جو کرتے ہیں ناصح
سمجھتا ہے کچھ خود نمائی کی خاطر

سوار جب تئیں دامن کا تھا موے لاکھوں
خدا ہی خیر کرے اب تو نے سوار ہوا

ایک تو تھا دل غم دیدہ اسیر سر زلف
پاؤں زنجیر میں اور ہاتھ گریباں میں پھنسا

ستم پناہ یہ کیا ظلم ہے ادھر تو دیکھ
جو با وفا ہے اسی سے یوں بدگماں رہیے

دیکھے جو ایک آن تری سرو خوش خرام
قمری نہ دیکھے پھر کبھو شمشاد کی طرف

پھینکتا ہوں آسماں پر تیر آہ
کہدو خورشید اب سپر داری کرے

لگے ہیں کشتوں کے پشتے ہر ایک کوچے میں
ستم کی تیغ کو دے شست وشو نہ ہو بدنام

یار کا جلوہ مرے کیا شہرۂ آفاق ہے
جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے

بنے خوبرو بے وفائی کی خاطر
بنا سوز صبر آزمائی کی خاطر

کم نہیں ہوتا غبار خاطر جاناں ہنوز
خاک سے میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

کر منہ کو ٹک بہ سوئے قناعت یہ حرف مان
رکھتی ہے لاکھ طرح کی آفت قضائے حرص

چھٹا کُنجِ عزلت ملا رنج و محنت میاں جان سب آشنائی کی خاطر
اک دن کبھی آ کلبہ احزاں میں ہمارے غم دور ہو میرا تری برکت سے قدم کی
مجھے محفل سے اپنی تونے اٹھوایا ولے سن لے مروت دستگاہا دور تھا تیری مروت سے
مبادا تصور کو پہنچے الم ترے غم سے مینائے دل حوپر ہے
توہی کر خاطرِ شیریں کے لیے کوہ کنی ناخن دست حنائی ہے یہاں تیشۂ دل
اک دم میں کرے قطع نشاط دل عاشق تعریف کروں کیا میں ترے ابرو کے خم کی

## ۲۳۔ متروکات:

سوز کے کلام میں متروک الفاظ کے بارے میں تنہا کہتے ہیں :

" سوز کے یہاں بھی متروکات کی فہرست لمبی چوڑی ہے لیکن یہ کہنا کہ آپ کے یہاں ہم عصر شعراء میر و سودا وغیرہم سے زیادہ متروکات ہیں غلط ہے۔ اس دور میں پہلے جو شعراء گذرے ہیں یقیناً ان کے یہاں متروکات کی تعداد سوز سے زیادہ پائی جائے گی۔ سوز کے یہاں اگر قدیم الفاظ پائے جاتے ہیں تو ان کے ہم عصر شعراء کے یہاں بھی اس قدر قدیم الفاظ پائے جائیں گے اور اکثر الفاظ تو ایسے ہیں جو اور شعراء نے بھی استعمال کیے ہیں اور اب متروک ہیں ۔

اس پر مزید اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ سوز کے کلام میں متروک الفاظ دوسرے شاعروں کے مقابلے میں کم ہیں اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قابلِ ترک الفاظ کا زبان سے خارج ہونے کا عمل بہت آہستہ ہوتا ہے ۔ جو الفاظ سوز کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں وہ شروع اٹھارھویں صدی کے ہیں۔ سوز کی زندگی میں اصلاح زبان کا جو کام ہوا اور جن الفاظ کو متروک قرار دیا گیا وہ پرانے لوگوں کی زبانوں پر بدستور چڑھے رہے ہوں گے ، لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ سوز نے مُروّجہ متروک الفاظ کم سے کم استعمال کیے ہیں ۔

یہ حقیقت ہے کہ سوز کی زبان اپنے معاصرین کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے ۔ ان کے ہاں جو متروک الفاظ ملتے ہیں ان کے ساتھ ہی ان کے متبادل جدید الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے زبان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ قابل ترک الفاظ سے اجتناب برتا ہے اور جو متروک الفاظ ان کے ہاں ملتے ہیں وہ عادتاً یا محاورۃً زبان پر چڑھے ہونے کی وجہ سے آگئے ہیں ۔ ویسے سوز کے کلام کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا

رنگ سخن دو قسم کا ہے، اکثریّت ان غزلوں کی ہے جن کی زبان فارسی آمیز ہے۔ ان غزلوں میں زبان کی کوتاہیاں کم سے کم ہیں، دوسری قسم ان غزلوں پر مشتمل ہے جو عام بول چال کے موافق ہے۔ ان غزلوں میں زبان اور اسلوب کی کوتاہیاں ملتی ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزلیں بغیر کسی کاوش اور دل سوزی کے کہی گئی ہیں ان میں وہی عام فہم اور مستعمل زبان ملتی ہے جو اس دور میں رائج تھی۔ افعال میں وہ لازم کو مُتعدّی اور مُتعدّی کو لازم بنا لیتے ہیں جیسے " چھنایا " بجائے " چھینا " " کھلاؤ " بجائے " کھولو " نکلا " بجائے " نکلوا " اسی طرح ضمائر میں بھی بجائے میں نے ، ہم نے ، تم نے ، میں ، ہم ، تم بولتے ہیں ۔ ان کے ہاں غلط العوام الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جن کو بطور محاورہ اور روز مرّہ کے کہہ جاتے ہیں مثلاً " مزدور " کو " مزور "، " تاوان " کو " تادن " " بے برگ " کو " بے برگو " ، " بحث کرنے " کو " بحثے " ، " دھول مارنے " کو " دھولانا " وغیرہ

جلدی اتارُاے صنم سر نہیں بار دوش ہے — اور کے سر تو رکھ یہ بوجھ دور کر اس مزُور کو

شیشہ مے آپ توڑا یہ عجب انصاف ہے — دل مرا مانگے ہے دیکھو مفت کے تادن کے بیچ

بہت کڑوا ثمر ہوتا ہے غم سنتے ہو بے برگو — خدا کے واسطے یہ تخم صحن دل میں مت بونا

غزل کہنے میں اب یہ مرتبہ ہے سوز کا یارو — کہ صائب اس سے جا بحثے تو ہو کر لا جواب آئے

عجب تم شیخ جی بحثو ہو لا لا کر کتاب اپنی — وہ کہہ بیٹھے گا کچھ منہ سے نہ چھیڑو سوز جاہل کو

اس ذیل میں وہ بدنما ترکیبیں بھی آجاتی ہیں جو جا بجا کلام سوز میں ملتی ہیں مثلاً بعد از ، بہ یاد ، بغیر از وغیرہ

ہے جیتے جی تو مجھے کوے یار میں رونا — رہے گا مرگ کے بعد از مزار میں رونا

بیاد یار ہر اک غنچے کا ہوں منہ تکتا — کہ اس میں ٹھیک ہے اندازِ خامشی اس کا

بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا — تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

سوز نے چوں کہ وہ زبان بولی ہے جو عام بول چال کے مطابق ہے اس لیے اشعار میں اکثر و بیش تر فنی معائب پیدا ہوگئے ہیں تعقید لفظی ، عیبِ تنافر ، حشو و زواید ، تکرارِ قبیح اور نقصِ روانی کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں جن سے بسا اوقات سلاست اور روانی میں خلل واقع ہوجاتا ہے ۔ عام بول چال اور سادگی کبھی اتنی شدّت اختیار کرلیتی ہے کہ کلام میں ابتذال اور

ہوقیت ج ہتا ہے۔ مثلاً

ایک بوسے پہ بیچتے ہیں دل ۔۔۔ باقی اس مول کو تو سستا ہے

سدھارو خیر صلا سے کہیں دم داب کے بھاگو ۔۔۔ ورنہ کوئی دم میں سوز موتنا لے کے آتا ہے

میں تجھ سے بچھ ملاؤں دوانے ۔۔۔ تجھے ہاتھ ہے توڑنا ناتواں کا

زباں کاٹ لوں تیری اور بھون کھاؤں ۔۔۔ مزا چکھوں اے سوز تیری زباں کا

چل ترے ہاتھوں کہ میں صدقے کروں ۔۔۔ اپنی قینچی سے ترا کاٹوں گلا

گو تھ کر زور کیا تو بھی نہ ٹوٹا پاپڑ ۔۔۔ اس تجھے ڈنڈ پہ کہتے ہیں سب چیریں گے

ہلدی کو ذرا لے کر کھڑے کو رنگو چھوندر ۔۔۔ گالوں کی تو سرخی کو ٹک اپنی مٹا ڈر ہو

رونا جو نہیں آتا تو تیل لگا کڑوا ۔۔۔ آنسو نہیں بہتے تو روئے ہی سا ڈر ہو

سنتا ہے بچا اب تو کہتا ہوں تجھے ہنس ہنس ۔۔۔ پھر سامنے نا آنا دم داب کے جا ڈر ہو

ہم نے کلام سوز سے ایسے متروک الفاظ کی فہرست مرتب کی ہے جو اب قطعی طور پر خارج از زبان ہوچکے ہیں ان الفاظ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ تقریباً پونے دو سو برس میں اردو زبان نے کتنی ترقی کی ہے اور ان الفاظ کو ترک کر دینے سے زبان میں کتنا نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

**۱۔ آپھی آپ۔ آپ ہی آپ:**

منہ چڑاتا ہے آپھی آپ کھڑا ۔۔۔ آپھی پھر کھلکھلا کے ہنستا ہے

**۲۔ اٹھکھل۔ چنچل:**

دیکھیو ٹک اس طرف اٹھکھل کے آنے کی طرح ۔۔۔ پاؤں سے ٹھکرا کے میرے دل کے لے جانے کی طرح

**۳۔ ہے گی۔ ہے:**

بس کہ دل میں بس رہی ہے گی صدائے عندلیب ۔۔۔ بوئے گل سے آوتی ہے گی صدائے عندلیب

**۴۔ بگانہ۔ بیگانہ:**

جہاں میں آشنا کوئی نہ پایا ۔۔۔ جسے دیکھا اسے پایا بگانہ

۵۔ بھلہ رے۔ بہت خوب:

بھلہ رے عشق تیری شوکت و شان　　بھائی میرے تو کھو گئے اوسان

۶۔ بہبہا۔ آمادہ:

گالی سے آشنا ہی نہ تھا مارے شرم کے　　اب تو وہ قتل کرنے کو بھی بہبہا ہوا

۷۔ بُھل گئے۔ بھول گئے:

سوز اتنا تو کیوں ہوا ہے نڈر　　کیا تجھے بُھل گئے صنم کے عتاب

۸۔ پھاٹ۔ پھٹ:

کس کو اب زیر فلک طاقت رسوائی ہے　　اے زمیں پھاٹ کہ میں تجھ میں سما جاؤں گا

۹۔ ٹک۔ ذرا:

کہا جب سوز نے ٹک زلف کو تو کھول دے بولا　　میں سمجھا ہوں کہ تیرا دل ہوا ہے مار کھانے کو

۱۰۔ جاگہ۔ جگہ:

یہ للچانے کی جاگہ کون سی ہے تجھے سراپا ہیں　　یہ میرا ایک دلِ حیران ہوں کیا کیا کرے للچ

۱۱۔ چُک جانا۔ ختم ہو جانا:

قصہ چُک جائے جلدی مار بھی ڈال　　تنگ تیرا ہے ہاں میں تو فقیر

۱۲۔ چھکچھورا۔ بوجھ:

خدا کے واسطے جوڑے میں اپنے باندھ کر اس کو　　اٹھا سکتا نہیں یہ دل تری زلفوں کا چھکچھورا

۱۳۔ دُر ہو۔ دور ہو:

ہمیں کہتا ہے دُر ہو بے وفا خوب　　ہماری بات کیوں پیارے ہمیں پر

۱۴۔ دوکھنا۔ ستانا:

نہ چھیڑو سوز کو، یہ اک نئی تم نے نکالی ہے　　کوئی بھی دوکھتا ہے جان من الفت۔کے ماروں کو

۱۵۔ دِوانہ۔ دیوانہ:

اس شعر میں ایک دوسرا لفظ "کنے" بہ معنی پاس بھی استعمال ہوا ہے جو اب متروک ہے

ناصحو دل کس کنے ہے کس کو سمجھاتے ہو تم　　کیوں دوانے ہوگئے ہو جان کیوں کھاتے ہو تم

۱۶۔ ڈھکانا۔ للچانا، ترسانا:

ڈھکانا اس طرح کا نہیں خوب جان من　　مجھ کو دکھا کے تیغ کسے مارنے چلا

۱۷۔ دھک دھکانا۔ دھڑکنا:

گیا چوری چوری سے رات اس کے گھر　　کلیجہ مرا دھک دھکانے لگا

۱۸۔ ڈول۔ انداز:

اس شعر میں ایک اور متروک لفظ "سیتی" بھی ہے جو متروک ہے اب "سے" بولتے ہیں۔

قبول ہرگز (؟) نہیں کرتا ہے میرا قتل بھی ظالم　　میں کس کس ڈول سیتی منّتِ جلّاد کرتا ہوں

۱۹۔ ڈھڈھاہٹ۔ رنگینی:

عارض کو تیرے پہنچے کب اس کی ڈھڈھاہٹ　　پیارے بزار ہو تو ہے گل کا رنگ پھیکا

۲۰۔ رووے گا۔ روئے گا:

رووے گا عشق مجھ کو سر خاک ڈال اپنے　　مرنے کا میرے تجھ کو کاہے کو غم رہے گا

۲۱۔ سوں۔ قسم:

اس شعر میں "آوے گا" استعمال ہوا ہے اب "آئے گا" کہتے ہیں

مجھے کچھ اعتبار آتا نہیں کس منہ سے ہیں کہتا　　تو رات آوے گا میرے پاس اپنے سر کی سوں جھوٹا

۲۲۔ کبھو۔ کبھی:

خلوت سرائے سوز کو پہنچے کبھو نہ دہر　　تو اور وہ جہاں ہو بت و برہمن کجا

۲۳۔ کہنے لاگا۔ کہنے لگا:

ایک لفظ "جو ہیں" بھی اس شعر میں ہے اب "جیسے ہی" کہتے ہیں

سوز نے دامن جو ہیں پکڑا تو بس دو ہیں جھٹک　　کہنے لاگا ان دنوں کچھ زور چل نکلا ہے ہشت

۲۴۔ کیدھر۔ کدھر:

صحبت تجھے رقیب سے ہیں گھر میں اپنے داغ　　کیدھر پتنگ شمع کہاں انجمن کجا

۲۵۔ گڑونا۔ گاڑنا:

مژگان کی تیری نوکیں آلودہ ہیں لہو میں　　ظالم نگاہ کس کے دل میں گڑو کے آیا

۲۶۔ لڑ بھڑ کر۔ گرتے پڑتے:

جگر سے دل میں، دل سے آنکھ میں، آنکھوں سے مژگاں پر
یہ طفل اشک لڑبھڑ کر گرا آخر کو داماں پر

۲۷۔ لیوے۔ لے:

سب مرادوں سے گزر جاوے سو لیوے نام عشق — ایسے دل پر منکشف ہونا ہے یاں اسرار شوخ

۲۸۔ من مانتا۔ جی بھر کے:

چھنایا نام و ننگ و صبر و طاقت قول دے جھوٹا — اکیلا کر کے مجھ کو عشق نے من مانتا لوٹا

۲۹۔ لوا۔ مرا:

مرا جاتا ہوں پیارے قبل ابرو کے اشارے سے — یہ مجھ پر کھینچنا ہر دم دم شمشیر کیا باعث

۳۰۔ موند لینا۔ بند کر لینا:

سوڑ دریاے غم میں غوطہ مار — آنکھ لے موند اور کرلے پار

۳۱۔ نت۔ ہمیشہ:

جن کو ہم دیکھتے تھے نت واللہ — دیکھنا ان کا خیال و خواب ہوا

۳۲۔ نرباہ۔ نباہ:

کیجے نہ اب کسی سے صحبت فلک تلے — ڈوبی وفا جہان میں نرباہ جل گیا

۳۳۔ نکتورا۔ نخرا:

نہ الفت ہے نہ شفقت ہے یہی ہردم کا نکتورا — پھر اس پر یہ حکومت ہے اسے کہتے ہیں یہ زورا

۳۴۔ وا چھڑے۔ واہ واہ:

یک طرف ابر یک طرف خورشید — وا چھڑے زور آب و تاب ہے آج

۳۵۔ وہیں۔ وہیں:

فصل گل بھی چل بسی پر آشیاں وہیں رہا — کون رہ سکتا ہے اے بلبل ترے مسکن کے بیچ

۳۶۔ ہیں گے۔ ہیں:

جو کلام اس کے میں ہے تاثیر میں آب حیات — ہیں گے امرت سے بھرے وہ لعل شکر بار شوخ

سوز نے قصیدہ، رباعی، مخمس، مستزاد، قطعہ، مرثیہ اور غزل ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا مختصر سا فارسی کلام بھی ہے لیکن وہ صرف غزل کے لیے تھے۔ قصیدہ ان کی افتاد طبع سے میل نہیں کھاتا اگرچہ وہ تمام زندگی امراء و رؤساء کے پہلو نشیں رہے اور بسا اوقات تنگی معاش میں بھی مبتلا ہوئے لیکن انھوں نے مدح سرائی کو اپنا شیوہ نہیں بنایا۔ سودا کی ہم نشینی بھی ان کو قصیدہ گوئی کی طرف مائل نہ کرسکی۔ انھوں نے صرف تین قصیدے لکھے جن میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے حضرت امام حسین کی شان میں ہے اور تیسرا نواب آصف الدولہ کی مدح میں ہے حضرت علی کی شان میں جو قصیدہ ہے اس میں قصیدے کی سی شان ملتی ہے لیکن حضرت امام حسین کا قصیدہ بہت مختصر ہے اور محض توصیفی اشعار پر مشتمل ہے۔ اسی طرح نواب آصف الدولہ کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کو بھی ہرگز قصیدہ کہنا مناسب نہیں اس میں قصیدہ کے سی کوئی بات موجود نہیں ہاں وہ ایک قطعہ ضرور کہا جاسکتا ہے اور اس کے پڑھنے سے یہ فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ شاعر مداحی کا عادی نہیں بلکہ ممدوح کے بارے میں اس کی جو ذہنی رائے ہے اس کو بہت خلوص کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ قصیدہ نگاری جن صلاحیتوں کا تقاضا کرتی ہے سوز ان سے بالکل عاری تھے۔

دیگر اصناف شناً رباعی، مخمس، مستزاد، قطعہ وغیرہ اپنی ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے غزل سے بہت قریب ہیں اس لیے سوز نے ان اصناف میں جولانیِ طبع کے اچھے جوہر دکھائے ہیں۔ رباعیات تو خاصی تعداد میں ہیں لیکن مخمس اور مستزاد صرف تین تین ہی ہیں۔ قطعات کا معاملہ بہت دلچسپ ہے۔

سوز کی اکثر غزلوں کا مضمون شروع سے آخر تک ایک ہی ہے اس لیے غزل اور قطعے کا تعین دشوار ہوتا ہے

جہاں تک مرثیے کا تعلق ہے سوز نے باقاعدہ کوئی مرثیہ نہیں کہا۔ ان کے دیوان میں تین قطعات ایسے ہیں جو مرثیہ اس اعتبار سے کہے جاسکتے ہیں کہ اس میں شاعر نے مرنے والوں کے بارے میں اظہار غم کیا ہے۔ دیوان میں جو تین مرثیہ نما قطعات ہیں ان میں ایک حضرت امام حسین کی شہادت پر دوسرا اپنے بیٹے میر مہدی داغ کی وفات پر اور تیسرا نواب آصف الدولہ کے انتقال پر کہے گئے ہیں۔ ان میں مرثیہ نگاری کا کوئی عنصر نہیں ملتا۔ بلکہ احساس کے شدید دباؤ کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔

سوز کے فارسی کلام کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ فارسی زبان پر بہ قدر

ضرورت عبور رکھتے تھے ۔ اس زمانے میں فارسی زبان کا اثر کم ہوتا جا رہا تھا۔ شاعر اپنے ذوق کی تسکین کے لیے فارسی میں کچھ کہہ لیتے تھے ورنہ عام طور پر اس کا چلن نہیں رہا تھا۔

اس طرح دیوان سوز میں صرف اردو غزل رہ جاتی ہے جو ان کا سرمایۂ حیات کہی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا مزاج صرف غزل کے لیے موزوں تھا۔ انھوں نے صرف اسی صنف میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنے محترم دوست خواجہ میر درد کی طرح صرف غزل کے میدان میں توسن طبع کو مہمیز دی اور اس میں بیش بہا اضافے اور تجربات کر کے اپنا جدا حلقۂ فکر قائم کرلیا۔ صوری اور معنوی لحاظ سے ان کی غزل کی ہیئت ترکیبی بھی جداگانہ نوعیت رکھتی ہے ۔ ان کی غزلوں میں عام طور پر ایک ہی مطلع ہوتا ہے باید و شاید کہیں دو مطلعے مل جاتے ہیں ۔ کہیں کہیں وہ مطلعے ہی میں تخلّص استعمال کر جاتے ہیں مثلاً

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہوگیا
آہ راز دل بھی یارب ان پہ ظاہر ہوگیا

سوز کی غزلیں مختصر ہوتی ہیں عام طور پر ہر غزل میں پانچ یا سات شعر ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نو یا گیارہ ہوجاتے ہیں لیکن ایسی غزلوں کی تعداد کم ہے ۔ ان کی غزلوں میں بھرتی کے شعر نہیں ہوتے۔ ہر غزل میں زیادہ تعداد منتخب اشعار کی ہوتی ہے ۔ بحروں کا انتخاب مضمون اور طرز ادا کے لحاظ سے کرتے ہیں ۔ عام طور پر بحریں چھوٹی اور ہلکی پھلکی منتخب کرتے ہیں۔ غزلوں میں اگرچہ قافیہ ، ردیف کی پابندی ملتی ہے لیکن بسا اوقات وہ قافیے ہی پر اکتفا کرتے ہیں ۔ دوسرے شعراء کی طرح وہ مقطع کا بطور خاص اہتمام نہیں کرتے ۔ موقع اور محل کے مطابق جس جگہ چاہتے ہیں اپنا تخلّص باندھ دیتے ہیں ۔

میر سوز کے فن پر ناقدان فن کے اپنے اپنے خیالات کا تو خیر اظہار کیا ہی گیا ہے لیکن ہر فن کار اپنے فن کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے کچھ خاص فنّی نکات ملحوظ رکھتا ہے سوز نے بھی اپنے فن کی اہم اور نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا ہے ۔ ناقدوں کی رائے کے ساتھ خود فن کار کی اپنی رائے کسی فنی شہ پارے کو سمجھنے میں بہت کارآمد ہوسکتی ہے ۔ سوز نے اپنے فن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بہت با معنی ہے اور تقریباً وہی کچھ ہے جو ایک ناظر ان کے کلام کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے ۔ اس وقت سوز کی عظمت میں اس وجہ سے اور اضافہ ہوجاتا ہے کہ انھوں نے اپنے فن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں بے حد دیانت داری اور انصاف سے کام لیا ہے اس میں شاعرانہ تملّق اور خود پسندی و خود پرستی کا شائبہ بھی نہیں

ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے کلام میں

۱۔ تفکّر و تدبّر ہے ایک بہت گہری سوچ اور مسائل کا نہایت عمیق مطالعہ پایا جاتا ہے

لے آنا سوز کو نایاب ہے دریاے معنی سے کہ جب غوّاص ہو کر سوز کی فکرِ متیں ڈوبے

۲۔ تنوع پسند شعور جو ہمہ وقت تازہ مضامین کا متلاشی ہو ہر جگہ کار فرما ہے

مضمون ترا سا نہ کسی بیت میں اے سوز یوں شعر تو موزنوں کے منظوم بہت ہیں

۳۔ وجدان صحیح سے کام لیا گیا ہے اور اس سے وہی شخص مستفیض ہو سکتا ہے جس میں یہ صفت موجود ہو

نہ ہووے سوز دل جس کو تو کب مقدور ہے اس کا کہ وہ اے سوز تیرے معنی اشعار کو پہنچے

۴۔ روحانی اور عرفانی حقیقتوں کی پردہ کشائی کی گئی ہے

دیکھا میں ترا جو سوز دیواں جز عشق کلام کچھ نہ نکلا

۵۔ سوز عشق ، سوز دروں اور غمِ پنہاں ہے

اپنی زبان کو بند کر اے سوز مت جلا کیسا شرارِ عشق ہے تیری زبان میں

۶۔ سوز و گداز ، درد و خلش پائی جاتی ہے جو دلوں پر گہرا اثر کرتی ہے

وہی اس سوز کے پہلو میں بیٹھے شعر سننے کو جو دونوں ہاتھ سے اپنا کلیجہ تھام کر اٹھے

۷۔ انفرادی کیفیتیں ہی نہیں بلکہ اجتماعی معاملات بھی زیر بحث آتے ہیں ، ان میں ان کی اپنی شخصیت ہی نہیں بلکہ پورا معاشرہ سمویا ہوا ہے ۔ اس لیے اس میں بڑی وسعت ہمہ گیری اور آفاقیت ہے

گاہ اپنا درد دل کہتا ہوں سو اوروں کے ساتھ شاعری کے نام سے ہرگز نہیں دعویٰ مجھے

۸۔ سرور و انبساط ، کیف و مستی ، خود فراموشی اور بے خودی محسوس ہوتی ہے ۔

نہ سنو گے سوز کی گفتگو جو پھرو گے ڈھونڈھتے کو بہ کو یہ نشہ ہے اس کے بیان میں کہ نہیں نشہ ہے شراب میں

۹۔ والہانہ پن ، سرمستی ، سرخوشی و خوش اختلافی کی کیفیات ہیں

میرے شعروں میں جو ہے کیفیت اس کو سمجھے کا کوئی متوالا

۱۰۔ برجستگی اور بے ساختگی ہے

سنے سب شاعروں کے شعر سب سے خوش ہوا لیکن سنوں ہوں سوز کے جب شعر تب یوں کود اٹھتا ہوں

۱۱۔ گرمیِ گفتار پائی جاتی ہے

جلے بھُنے سبھی پڑھتے ہیں شعر مجلس میں سوائے سوز کے آتش زباں نہیں دیکھا

۱۲۔ سادگی و صفائی ہر جگہ قائم رہتی ہے لطافت و فصاحت ہر مقام پر جلوہ گر ہے

اے سوز ترے اشعار ہیں آبلہ فریب اور بس ہم نے تو نہ کچھ دیکھا بُجز قافیہ پیمائی

۱۳۔ تمثیل کا عنصر بہت غالب ہے۔

پڑھتا ہے شعر سوز کے یوں تو سبھی جہاں اس کا سا لیک صاحبو لطف بیاں کہاں

۱۴۔ شیرینی، لوچ، رعنائی، خیال اور رنگینیِ بیان ہے

ہاں سوز میرے شعر بھی شیریں نہ ہوں سو کیوں تو جانتا نہیں لب دل بر مکیدہ ہوں

۱۵۔ مزاح کی چاشنی، طنز کی کھنک، مستزاد ہے

اے سوز تیری باتوں پہ ہنستا ہے سب جہاں ظالم خدا کو مان سنبھال اپنی جیب کو

۱۶۔ انفرادیت پائی جاتی ہے، جو دوسرے شاعروں کے ہاں نہیں ہے انھوں نے دوسروں سے ہٹ کر اپنی راہ نکالی ہے

کہتے تو ہیں سب ریختہ اس دور میں لیکن اس فن میں کوئی سوز سا ممتاز نہیں ہے

۱۷۔ نیا رجحان اور نئے تجربے ملتے ہیں اگرچہ اس جدت پر اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن تنقید کا انداز منطقی رہا

شاعروں میں سوز کو کہتے ہیں سارے بے خبر کیا کہوں میاں خلق کی فہمید ہی معکوس ہے

۱۸۔ فصاحت اور سلاست میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو عربی کے مشہور شاعر سحبان کا ہے۔

جب تک جیے وہ نام فصاحت نہ لے کبھو سحبان سنے جو سوز ترا اب کلام لب

۱۹۔ تمثیل کا وہی خاص انداز، وہی خیال بندی، اور مضمون آفرینی، زبان کی وہی فصاحت، وہی ترکیب کی بندش اس قسم کی محاورہ بندی ہے جس کے لیے فارسی شاعر صائب مشہور رہا ہے۔

غزل کہنے میں اب یہ مرتبہ ہے سوز کا یارو کہ صائب اس سے جا بخشے تو ہو کر لا جواب آئے

۲۰۔ (الف) نئی ترکیبوں کی صنعت گری ہے (ب) وجدانی باتوں کی ادائیگی اس طرح کی گئی ہے کہ وہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہیں (ج) حالات اور کیفیات کی تشبیہ مادّیت اور محسوسات سے دی گئی ہیں جس سے ایک خاص استعجابی اثر پڑتا ہے (د) عشق و عاشقی کی سچی اور صحیح واردات ملتی ہیں (ہ) فلسفہ کم ہے (و) طرز ادا کی جدت ہے (ز) غزلوں میں کسی خاص حالت کو مسلسل اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ساری غزل ایک حالت میں تمام ہوجاتی ہے (ح) روز مرّہ اور محاورات کثرت سے ملتے ہیں۔

یہی خوبیاں فارسی کے بلند پایہ شاعر نظیری کے کلام میں ملتی ہیں اس طرح سوز ذہنی طور سے نظیری سے کتنے قریب ہیں۔

سوز کے اشعار کا کیا پوچھنا ہے شاعرو گفتگو میں اس کی پاتا ہوں نظیری کا دماغ

لہذا اگر یہ کہہ دیا جائے کہ میر سوز کا اردو شاعری میں وہی مرتبہ ہے جو فارسی میں نظیری کا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

# حواشی

[ نوٹ :۔ حواشی (۱) تا (۹۲) مقالہ بعنوان " میر سوز کے معاصرین اور ان کا تقابلی مطالعہ" سے متعلق ہیں ، اور بقیہ حواشی (۹۳) تا (۱۴۳) مقالہ بعنوان " میر سوز کا کلام: تجزیاتی مطالعہ " سے ]

(۱) گ ۔ ۵ ، صفحہ ۱۲۔

ت ۔ ۵ ، صفحہ ۵۔

سری رام ، لالہ ، " خُمخانۂ جاوید" جلد اول ، مطبوعہ مخزن پریس دہلی ، ۱۳۲۵ ہجری۔

(۲) ابواللیث صدیقی ، ڈاکٹر ، " لکھنؤ کا دبستان شاعری" مطبوعہ اردو مرکز لاہور ، ۱۹۸۵۔ صفحہ ۵۹۔

(۳) انتقادیات ، صفحہ ۲۷۶۔

(۴) د ۔ ج ، صفحہ ۹۔

تری تیغ جب ہم الم دیکھتے ہیں

(۵) د ۔ ح ، صفحہ ۱۰۔

(۶) گ ۔ ۵ ، صفحہ ۹۰۔

(۷) گ ۔ ۵ ، صفحہ ۶۰۔

(۸) م ۔ ا ، صفحہ ۲۱۔

(۹) گ ۔ ۵ ، صفحہ ۶۱۔

(۱۰) ت ۔ ۵ ، صفحہ ۱۸۔

(۱۱) د ۔ ف ، صفحہ ۵۰۔

(۱۲) نغز ، صفحہ ۳۴۔

(۱۳) سعادت یار خاں رنگین ، " مجالس رنگین " (ترجمہ) شیر علی خاں سرخوش ، مطبوعہ گیلانی پریس لاہور ، سنہ ندارد ، صفحہ ۶۲۔

(۱۴) کریم ، صفحہ ۱۹۶۔

(۱۵) یہ شعر سوز کے دیوان میں ردیف الف غزل نمبر میں موجود ہے۔

(۱۶) ذکا ، خوب چند ، " عیار الشعراء " قلمی عکسی مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی ، صفحہ ۲۱۔

(۱۷) م ۔ ن ، صفحہ ۴۵۔

(۱۸) سید علی حسن خان " بزم سخن " مطبوعہ مطبع نامی مفید عام پریس آگرہ ، ۱۸۹۸ء ، صفحہ ۱۵۔

(۱۹) ت ۔ ہ ، صفحات ۱۹۔۱۸۔

(۲۰) گ ۔ ہ ، صفحہ

(۲۱) ش ۔ ا ، صفحہ ۲۰۔

(۲۲) ش ۔ س ، صفحہ ۳۵۔

(۲۳) خواجہ محمد عبدالرؤف " آب بقا " میں لکھتے ہیں کہ افسوس لکھنؤ میں ہمیشہ رہے اور ان کی شاعری کو شہرت نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد نشان قبر بھی نہیں ملتا ( صفحہ ۱۸۱ )

(۲۴) د ۔ ف ، صفحہ ۱۰۲۔

(۲۵) شوق ، صفحہ ۴۱۴۔

(۲۶) مصحفی ، غلام ہمدانی ، ریاض الفصحاء ( مرتبہ ) عبدالحق ، مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی ، ۱۹۳۹ء ، صفحات ۵۶۔۵۵۔

(۲۷) نغز ، صفحہ ۱۳۸۔

کریم ، صفحہ ۲۳۱۔

(۲۸) س ۔ ش ، صفحہ ۸۴۔

(۲۹) ب ۔ س ، صفحہ ۲۸۔

(۳۰) نغز ، صفحہ ۱۵۳۔

(۳۱) گ ۔ ہ ، صفحہ ۱۰۱۔

(۳۲) ت ۔ ہ ، صفحہ ۱۰۱۔

(۳۳) منشی دبی پرشاد ، " تذکرۂ شعرائے ہنود " مطبوعہ رضوی پریس دہلی ، ۱۲۹۹ ہجری ، صفحہ ۵۰۔

(۳۴) س ۔ ش ، صفحہ ۱۴۵۔

(۳۵) گ ۔ ہ ، صفحہ ۶۲۔

(۳۶) کریم ، صفحہ ۱۶۹۔

(۳۷) ہ ۔ گ ، صفحہ ۹۸۔

(۳۸) فائق ، کلب علی خاں ، " اورینٹل کالج میگزین " پنجاب یونیورسٹی لاہور ، بابت ماہ اگست ۱۹۶۳ء ، صفحہ ۶۹۔

(۳۹) گ ۔ س ، صفحات ۶۷۔۶۶۔

(۴۰) م ۔ ن ، صفحہ ۳۰۰۔

(۴۱) ش ۔ ا ، صفحہ ۱۰۶۔

(۴۲) ت ۔ ہ ، صفحہ ۱۰۶۔

(۴۳) گ ۔ ہ ، صفحہ ۱۳۹۔

(۴۴) شوق ، صفحات ۸۸۔۳۸۲۔

(۴۵) نغز ، صفحہ ۲۷۶۔

(۴۶) ت ۔ ہ ، صفحہ ۱۳۹۔

(۴۷) آ ۔ ب ، صفحہ ۱۸۲۔

(۴۸) شاہ حاتم و کلام حاتم ، صفحہ ۳۲۴۔

(۴۹) نغز ، ۳۲۷۔

کریم ، صفحہ ۱۴۶۔

ع ۔ م ، صفحہ ۳۵۰۔

(۵۰) س ۔ ش ، صفحہ ۲۰۳ اور ش ۔ س ، صفحہ ۱۶۰۔

(۵۱) س ۔ ش ، صفحہ ۲۴۲۔

(۵۲) نغز ، جلد دوم ، صفحہ ۲۱۔

(۵۳) ت ۔ ، صفحہ ۱۵۱۔

(۵۴) م ۔ ا ، صفحہ ۴۳۹۔

(۵۵) م ۔ ن ، صفحہ ۳۸۴۔

(۵۶) م ۔ س ۔ ش ، صفحہ ۳۳۹۔

(۵۷) مصحفی ، غلام ہمدانی ، " ریاض الفصحاء " ( مرتبہ عبدالحق ، مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی ، ۱۹۳۹ء ، صفحات ۱۳۔۲۱۲۔

(۵۸) دیوان نامخ سن ندارد ، شایع کردہ نول کشور ، کان پور ، جلد دوم ، صفحہ ۲۱۷۔

(۵۹) گ ۔ ہ ، صفحہ ۱۹۱۔

(۶۰) کریم ، صفحہ ۶۵۔

(۶۱) س ۔ ش ، صفحہ ۶۳۷۔

(۶۲) شعرائے ہنود صفحہ ۱۱۲۔

(٦٣) س۔ ش، صفحہ ٦٨٧۔

(٦٤) گ۔ س، صفحہ ١٩١۔

(٦٥) نغز، صفحہ ١٣٥۔

(٦٦) خار، صفحہ ......

(٦٧) خوش معرکہ زیبا صفحہ ٦٢٨

(٦٨) عہد بنگش، صفحہ ٣١٢۔

(٦٩) فصیح الدین رنج، "بہارستان ناز" مطبوعہ مطبع عثمانی میرٹھ، سن ندارد، صفحہ ٥٣۔

(٧٠) عبدالجبار خاں، محبوب الزمن، "تذکرۂ شعرائے دکن" مطبوعہ مطبع رحمانی حیدرآباد دکن، ١٣٢٩ ہجری، صفحات ٩٠٩-٩١٠۔

(٧١) بہارستان ناز، صفحات ٥٣-٥٤۔

(٧٢) عبدالباری آسی، تذکرۃ الخواتین، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ سنہ ندارد، صفحہ ٩٧۔

(٧٣) تذکرۂ شعرائے دکن، صفحات ٩٦٩-٩٧٠۔

(٧٤) کریم الدین نے اس شعر کو بہو بیگم جانی زوجہ آصف الدّولہ کا کہا ہے۔

(٧٥) ش۔ [illegible]، صفحہ ١٩٧۔

(٧٦) نغز، جلد [illegible]، صفحہ [illegible]

خار، صفحہ ......

(٧٨) [illegible]

[illegible]

[illegible]

(٧٩) [illegible]

(۸۲) س ۔ س ، صفحہ ۹۹۔

(۸۳) ت ۔ ہ ، صفحہ ۲۷۴۔

(۸۴) نغز ، جلد دوم ، صفحہ ۵۲۔

(۸۵) شوق ، صفحہ ۵۶۹۔

(۸۶) ریاض الفصحاء ، صفحات ۹۳۔۹۲۔

(۸۷) شوق ، صفحہ ۳۵۹۔

(۸۸) ش ۔ س ، صفحہ ۱۲۵۔

(۸۹) ت ۔ ہ ، صفحہ ۲۱۹۔

(۹۰) شوق ، صفحہ ۴۰۰۔

(۹۱) ت ۔ ہ ، صفحہ ۲۱۹۔

س ۔ س ، صفحہ ۱۰۵۔

(۹۲) نغز ، جلد دوم ، صفحہ ۱۸۷۔

(۹۳) ن ش ، صفحہ ۱۵۱۔

(۹۴) شوق صفحہ ۲۳۱۔

(۹۵) ا صفحہ ۱۱۷۔

(۹۶) ت ۔ ہ ، صفحہ ۱۲۱۔

(۹۷) ت ۔ ا ۔ ہ ، صفحہ ۲۷۶۔

(۹۸) نغز ، صفحہ ۳۲۰۔

(۹۹) ط ۔ س ، صفحہ

(۱۰۰) د ۔ ف ، صفحہ ۵۰۔

(۱۰۱) کریم ، صفحہ ۱۳۵۔

(۱۰۲) بہار ، صفحہ ۱۸۲۔

(۱۰۳) خوش صفحہ ۱۲۳۔

(۱۰۴) ر ۔ گ ، صفحہ ۱۳۸۔

(۱۰۵) ش ۔ ا ، صفحہ ۱۱۷۔

(۱۰۶) ت ۔ ش ، صفحہ ۴۲۵۔

(۱۰۷) ت ۔ ہ ، صفحہ ۱۲۱۔

(۱۰۸) نغز ، صفحہ ۳۳۔

(۱۰۹) م ۔ ا ، صفحہ ۳۹۵۔

(۱۱۰) گ ۔ ہ ، صفحہ ۱۵۱۔

(۱۱۱) د ۔ ف ، صفحہ ۵۰۔

(۱۱۲) ن ۔ ش ، صفحہ ۱۵۱۔

(۱۱۳) ت ۔ ش ، صفحہ ۴۲۵۔

(۱۱۴) ع ۔ م ، صفحہ ۳۳۴۔

(۱۱۵) ھ ۔ ا ، ہ ، صفحہ ۴۷۶۔

(۱۱۶) کریم الدین ، صفحہ ۱۴۵۔

(۱۱۷) شوق ، صفحہ ۲۳۱۔

(۱۱۸) ش اردو صفحہ ۱۱۸۔

(۱۱۹) گ ۔ ا ، صفحہ ۳۴۹۔

(۱۲۰) ع ۔ ش ، صفحہ ۳۳۷۔

(۱۲۱) گ ۔ ہ ، صفحہ ۱۵۱۔

(۱۲۲) ع ۔ م ، صفحہ ۳۳۴۔

(۱۲۳) م ۔ ا ، صفحہ ۳۹۶۔

(۱۲۴) نغز ، صفحہ ۳۲۰۔

(۱۲۵) آ ۔ ب ، صفحہ ۱۸۷۔

(۱۲۶) ش ۔ ا ، صفحہ ۱۱۷۔

(۱۲۷) ط ۔ س ، صفحہ

(۱۲۸) گ ۔ ا ، صفحہ ۳۴۹۔

(۱۲۹) د ۔ ف ، صفحات ۵۱۔۵۰۔

(۱۳۰) د ۔ ف ، صفحہ ۵۰۔

(۱۳۱) ت ۔ ا ، ہ صفحہ ۴۷۶۔

(۱۳۲) ع ۔ ش ، صفحہ ۳۳۷۔

(۱۳۳) نغز ، صفحہ ۳۲۰۔

(۱۳۴) د ۔ ف ، صفحہ ۵۰۔

(۱۳۵) تاریخ ادب اردو ، صفحہ ۱۵۷۔

(۱۳۶) خار ، صفحہ ۱۴۱۔

(۱۳۷) خزاں ، صفحہ ۱۱۵۔

(۱۳۸) مراۃ الشعراء ، صفحہ ۲۳۲۔

(۱۳۹) آ ۔ ح ، صفحہ ۱۸۲۔

(۱۴۰) تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۵۸۔

(۱۴۱) مراۃ الشعرا ، صفحہ ۲۳۱۔

(۱۴۲) ع ۔ م ، صفحہ ۳۳۴۔

(۱۴۳) خوش ، صفحہ ۱۲۳۔

---

# محولہ تذکرے

(مع نشان حوالہ)


۱۔ نکات الشعراء (ن ش) ، میر ، (تصنیف ۶۹۔۱۱۶۴ھ) ، طبع دہلی ، ۱۹۳۵ء

۲۔ ریختہ گویاں (ر گ) ، گردیزی ، (۱۱۶۵ھ) ، اورنگ آباد ، ۱۹۲۲ء

۳۔ مخزن نکات (م ن) ، قائم ، (۱۱۶۸ھ) ، اورنگ آباد ، ۱۹۲۹ء

۴۔ چمنستان شعراء (چ ش) ، شفیق ، (۱۱۷۵ھ) ، اورنگ آباد ، ...

۵۔ طبقات الشعراء (شوق) ، شوق ، (۱۱۸۸ھ) ، لاہور ، ۱۹۶۸ء

۶۔ شعرائے اردو (ش ا) ، میر حسن ، (۹۲۔۱۱۸۸ھ) ، علی گڑھ ، ۱۹۲۳ء

۷۔ تذکرہ شورش (ت ش) ، شورش ، (۱۱۹۳ھ) پٹنہ ، ۱۹۵۹ء

۸۔ گلشن سخن (گ س) ، بسملا لکھنوی ، (۱۱۹۴ھ) ، لکھنو ، ۱۹۶۵ء

۹۔ گلزار ابراہیم (گ ا) ، خلیل ، (۱۱۹۸ھ) ، قلمی ، انجمن کراچی۔

۱۰۔ تذکرہ ہندی (ت ہ) ، مصحفی ، (۱۲۰۹ھ) ، دہلی ، ۱۹۳۵ء

۱۱۔ عیار الشعراء (ع ش)، ذکا، (۱۲۱۳ھ)، عکس، انجمن کراچی۔

۱۲۔ تذکرۂ عشقی (ت ع)، عشقی، (۱۲۱۵ھ)، پٹنہ، ۱۹۵۹ء

۱۳۔ گلشن ہند (گ ہ)، علی لطف، (۱۲۱۵ھ)، حیدرآباد دکن، ۱۹۰۶ء

۱۴۔ عمدہ منتخبہ (ع م)، سرور، (۱۹-۱۲۱۶ھ)، دہلی، ۱۹۶۱ء

۱۵۔ مجمع الانتخاب (م ا)، شاہ کمال، (۱۲۲۱ھ)، نقل، انجمن کراچی۔

۱۶۔ مجموعۂ نغز (م ن)، قاسم، (۱۲۲۱ھ)، لاہور، ۱۹۳۳ء

۱۷۔ طبقات سخن (ط س)، بستلا میرٹھی، (۱۲۲۲ھ)، قلمی، شاہجہاں پور۔

۱۸۔ دیوان جہان (د ج)، بینی نرائن، (۱۲۲۲ھ)، پٹنہ، ۱۹۵۹ء

۱۹۔ تذکرۃ الشعراء (ش)، طوفان، (۱۲۲۷ھ)، پٹنہ، ۱۹۵۲ء

۲۰۔ دستور الفصاحت (د ف)، یکتا، (۱۲۲۹ھ)، رام پور، ۱۹۴۳ء

۲۱۔ گلشن بے خار (خار)، شیفتہ، (۱۲۵۰ھ)، لکھنو، ۱۹۱۰ء

۲۲۔ تاریخ ادب ہندستانی (ت ا ہ)، دتاسی، (۷۰-۱۸۷۳ء)، ترجمہ اردو۔

۲۳۔ بہارِ بے خزاں (خزاں)، سحر، (۱۲۶۱ھ)، دہلی، ۱۹۱۸ء

۲۴۔ گلستانِ بے خزاں (گ ل)، باطن، (۱۲۶۱ھ)، لکھنو، ۱۲۹۱ء

۲۵۔ خوش معرکہ زیبا (خوش)، ناصر، (۱۲۶۲ھ)، نسخہ انجمن کراچی۔

۲۶۔ طبقات الشعرائے ہند (کریم)، کریم الدین و فیلن، (۱۲۶۳ھ)، دہلی، ۱۸۴۸ء

۲۷۔ سراپا سخن (س ص)، محسن، (۱۲۶۹ھ)، کانپور، ۱۸۶۰ء

۲۸۔ یادگار الشعراء (ی ش)، اسپرینگر، (۱۲۶۹ھ)، الہ آباد، ۱۹۴۳ء

۲۹۔ گلشن ہمیشہ بہار (بہار)، خویشگی، (۱۲۷۱ھ)، کراچی، ۱۹۶۷ء

۳۰۔ سخن شعراء (س ش)، نساخ، (۱۸۶۳ء)، لکھنو، ۱۸۷۴ء

۳۱۔ شمیم سخن (ش س)، صفا، (۱۲۸۹ھ)، مرادآباد، ۱۲۸۸ھ

۳۲۔ بزم سخن (ب س)، علی حسن خاں، (۱۲۹۷ھ)، آگرہ، ۱۲۷۸ھ

۳۳۔ طور کلیم (ط ک)، نورالحسن خں، (۱۲۹۷ھ)، آگرہ، ۱۲۹۸ھ

۳۴۔ آب حیات (ا ح)، آزاد، (۱۲۹۷ھ)، لاہور ...

۳۵۔ جلوۂ خضر (ج خ)، صفیر، (۱۳۰۱ھ)، آرہ، ۱۸۸۵ء

۳۶۔ آب بقا (آ ب)، عشرت، (۱۹۱۸ء)، لکھنو، ۱۹۱۸ء

-----------------